حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے مختصر دیباچہ ہے، جس مین بزرگانِ دین کے ملفوظات کے مقصد کی پوری روح آگئی ہے،

ہم آپ از جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۳ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت تحریر نہین، پتہ ہندستانی اکیڈمی الہ آباد، یوپی،

فن نفسیات (سائیکالوجی) مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی شہرت محتاج بیان نہین، اس فن پر اردو اور انگریزی دونون زبانون مین اُن کی متعدد تالیفات شائع ہو چکی ہین، مذکورۂ بالا کتاب ہندستانی اکیڈمی الہ آباد نے اُن سے لکھوائی تھی، یہ چودہ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب مین فن کا تعارف اور اس کی تشریح، دوسرے مین اس کی مختصر تاریخ اور باقی ابواب مین نفسیات کے مسائل و مباحث ہین، کتاب کے آخر مین اشخاص کے نامون کا انڈکس اور مصطلحات کی فہرست ہے، کتاب کی خوبی اور خامیون کا صحیح فیصلہ تو اس فن کے واقف کار ہی کر سکتے ہین، لیکن اس کے مطالعہ سے اتنا اندازہ تو ہر شخص کو ہو جاتا ہے کہ نفسیات کے علمی مباحث کو روزانہ کی زندگی کے واقعات سے اتنے آسان دلچسپ اور سلجھے ہوے انداز مین سمجھایا گیا ہے، کہ معمولی اردو خوان بھی انکو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے،

معروضہ از جناب مولوی محمد الیاس برنی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲/ پتہ:- بیت السلام سیف آباد حیدرآباد

فاضل مصنف کو دوسرے علوم و فنون کے ساتھ شعر و سخن سے بھی ذوق ہے، وہ سخنور بھی ہین اور سخن سنج بھی معروضہ ان کے کلام کا مجموعہ ہے، اس مین مختلف مذہبی و اخلاقی موضوعون پر نوّے نظمین ہین، مصنف کو اللہ تعالیٰ نے باطنی دولت سے بھی نوازا ہے، اس لئے اُن کی شاعری محض رسمی نہین بلکہ اُن کے قلبی تاثرات اور حقیقی جذبات کا آئینہ دار ہے، اس مجموعہ کی تمام نظمون مین یہ اثر نمایان ہے، خصوصاً حمد، نعت اور منقبت کی نظمین نہایت گرم، موثر اور اصحاب دل و حال کے مطالعہ کے لائق ہین، کتاب کا مقدمہ بھی مفید مذہبی و روحانی فوائد و نکات پر مشتمل ہے، "م"

جلد ۶۲ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۷ء عدد ۶

مضامین

ضروری اطلاع

سیرۃ النبی حصہ اول، سیر الصحابیات، اور تاریخ اسلام حصہ دوم و سوم کی، جو ختم ہو گئے تھے بکثرت فرمایشین آرہی ہین، تاریخ اسلام حصہ دوم چھپ کر تیار ہو گیا ہے، باقی کتابین زیر طبع ہین، شائقین اطمینان رکھین، چھپنے کے ساتھ ان کی فرمایشون کی تعمیل کی جائے گی۔

مینجر

شذرات

انڈین یونین ایک جمہوری اور غیر مذہبی حکومت ہے لیکن اسکے مختلف فرقون کے مخصوص مذہبی و معاشرتی رسوم نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ مین وحدت و یکرنگی پیدا کرنے کے لئے دستور مین جو دفعات شامل کی گئی ہین وہ جمہوریت کے سراسر خلاف ہین، کسی فرقہ کے پرسنل لا مین تو شخصی اور مذہبی حکومتین بھی مداخلت نہین کرتین، اور یہ مسئلہ کسی ایک فرقہ کا نہین، بلکہ ہندو مسلمان، سکھ عیسائی، یہودی، پارسی وغیرہ ہندوستان مین بسنے والے تمام فرقون کا ہے، اس لئے کہ ان سب کے رسوم کے طریقے جدا ہین، جو ان کے مذہبی قوانین و روایات کے مطابق انجام پاتے ہین، خصوصاً مسلمانون کے نکاح، طلاق، خلع اور وراثت وغیرہ کے قوانین تو قرآنی ہین، جن مین کوئی تغیر نہین ہو سکتا، اور اُن کے مطابق انجام پائے بغیر یہ امور صحیح نہین ہو سکتے، اس لئے یہ مسئلہ تمام فرقون کے جائز حقوق کا ہے،

وحدت و یکرنگی پیدا کرنے کی دلیل نہایت لغو ہے، اس سے تو مذہب مین بھی یکسانی پیدا کرنے کا قانون بنایا جا سکتا ہے، جسے کوئی فرقہ بھی ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا، نکاح و طلاق و وراثت وغیرہ کا تعلق بھی محض معاشرت سے نہین بلکہ مذہب سے ہے، اس لئے ان کے قوانین مین کوئی حکومت بھی خواہ وہ شخصی ہو یا جمہوری، مذہبی ہو یا غیر مذہبی مداخلت نہین کرتی، اور ہر فرقہ کو اُن پر عمل کرنے مین آزاد رکھتی ہے، اس مین دست اندازی کا سہرا ہماری جمہوری اور غیر مذہبی حکومت کے سر رہے گا، اس کو چاہئے تو یہ تھا، کہ مذہبی حقوق مین مداخلت کے شبہات کو دور کرتی الٹے اپنے عمل سے ان کو تقویت پہنچا رہی ہے، اس لئے ان دفعات پر نظر ثانی کرنا ضروری ہے،

یہی حال مویشی کے ذبیحہ کی ممانعت کی دفعات کا ہے، مویشی اور زراعت کی ترقی اور اقتصادی و معاشی مسائل کو آڑ بنانے سے اصل حقیقت نہین چھپ سکتی، اقتصادی اور زرعی فوائد کا حال تو اس وقت معلوم ہوگا جب ناکارہ

مویشیون کی کثرت ہو جائیگی، اور جہان انسانون کو پیٹ بھر کھانا میسر نہین وہان بیکار جانورون کے لئے چارہ مہیا کرنا پڑے گا، اور چمڑے کی کرورون روپیہ کی تجارت کا علحدہ نقصان ہوگا اس وقت خود گورنمنٹ اس قانون کے توڑنے پر مجبور ہون گے، قانون جذبات کی رو مین نہین بنا کرتے، ان کے تمام پہلوؤن پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر درحقیقت مویشی اور زراعت کی ترقی مقصود ہے تو اس کے لئے وہ تدبیرین اختیار کرنی چاہئین جو ترقی یافتہ ملکون مین اختیار کیجاتی ہین، اس کا طریقہ ذبیحہ کی بندش نہین ہے، البتہ اگر اس کی بندش اس لئے ضروری ہے کہ گائے ہندوؤن مین محترم ہے تو اس کا صاف اعتراف کرنا چاہئے محض زبان سے جمہوریت کا اشتہار دینے سے کچھ حاصل نہین جب تک عمل اس کے مطابق نہ ہو،

ہندوستان کی آزادی کے معنی کسی خاص فرقہ اور جماعت کی آزادی کے نہین بلکہ ہر فرقہ اور ہر فرد کے جائز حقوق کی آزادی کے ہین، اور اگر کوئی فرقہ آزاد اور جمہوری ہندوستان مین بھی اپنے کو محکوم اور بے بس محسوس کرے تو وہ اس کے لئے باعث فخر نہین ہو سکتا، اگر گائے کا ذبیحہ ہی بند کرنا مقصود ہے تو اس کا صحیح طریقہ قانونی بندش نہین، بلکہ دوسرے بہتر طریقے ہو سکتے ہین، اس تنقید سے مقصود تخریب نہین بلکہ اصلاح ہے، اس لئے حکومت کو ان مسائل پر غور کرنا ضروری ہے،

افسوس ہے کہ پچھلے پرچہ مین ہندوستانی کنونشن کا جو ۳۰، ۳۱ اکتوبر کو لکھنؤ مین ہوا تھا تذکرہ نہ ہو سکا، یہ اجتماع اس معنی مین اس حیثیت سے نہایت اہم تھا کہ اس مین بلا اختلاف مذہب و ملت ہندوستانی زبان کے تمام حامیون نے شرکت اور اس کی حمایت مین تقریرین کین، اور حکومت کے رویہ پر بے اطمینانی کا اظہار کیا، جو اس کی دلیل ہے کہ تعصب اور فرقہ پرستی کے اس تاریک دور مین بھی حقیقت کا چراغ گل نہین ہوا ہے، خود کنونشن اور اسکی مجلس استقبالیہ کے محترم صدرون پنڈت سندر لال، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ اور پنڈت کشن پرشاد کول کے خطبے اور تقریرین اس کی شاہد ہین، خصوصاً فاضل اور حق پسند پنڈتون نے جس صفائی جرأت و ہمت سے سچائی کا اعتراف و اعلان کیا ہے، وہ ہمارے لیے قابل تقلید نمونہ ہے، زبان کے بارہ مین ان کے خیالات اور مشورے ہندی اور ہندوستانی دونون کے حامیون اور مخالفون کے لئے لائق غور ہین اس قضیہ کا صحیح حل ان مین سے کسی ایک زبان کے ساتھ تعصب یا اسکی بیجا حمایت و پاسداری یا حکومت کی قوت سے نہین بلکہ

دونون زبانون کے حقوق ماننے اور ان کے ادا کرنے ہی سے ہو سکتا ہے،

کنونشن کی قرارداد کے مطابق ہندوستانی زبان کے حامیون کا ایک وفد بھی جس مین ہندو مسلمان دونون شامل تھے، مرکزی حکومت کے ارکان سے ملا، اور اس کو سرکاری زبان بنانے کی عرضداشت پیش کی، اب دیکھنا یہ ہو کہ حکومت اس مشترک مطالبہ پر کیا طرزِ عمل اختیار کرتی ہے، یہ اس کی جمہوریت پسندی کا امتحان ہو، اس سے توقع ہو کہ وہ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کریگی،

گذشتہ فرقہ وارانہ اثرات سے مسلم یونیورسٹی بھی محفوظ نہ رہی تھی، اور اس کی آیندہ پالیسی اور نظام کے بارہ مین عرصہ سے یونیورسٹی کے مختلف الخیال ارباب حل وعقد مین کشمکش چلی آ رہی تھی، حکومت بھی یونیورسٹی سے بدگمان تھی، جس سے اس کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ تھا، خوشی کا مقام ہو کہ سابق وائس چانسلر نواب محمد اسمٰعیل خانصاحب نے خود ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کے لئے جگہ خالی کر کے بڑے خوشگوار طریقہ سے اس کشمکش کا خاتمہ کر دیا، اور یونیورسٹی کو ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا،

دار العلوم جن حالات مین اور جن مقاصد کیلئے قائم ہوا تھا، اور جس طرح یونیورسٹی چل رہی تھی وہ نئے بدلے ہوئے حالات سے بالکل مطابقت نہین رکھتے، اور ان پر چل کر یونیورسٹی زندہ نہین رہ سکتی تھی، ان کو بدلنا بہر حال ضروری تھا، اس تبدیلی کے لئے ڈاکٹر صاحب سے بہتر شخصیت نہین ہو سکتی، وہ اسی درسگاہ کے ایک نامور فرزند ہین، اس سے ہمیشہ ان کو لگاؤ رہا، اور وہ اپنے علمی کمال، وسیع تعلیمی و انتظامی تجربے اور ذاتی خوبیون کے لحاظ سے اس منصب کے صحیح اہل و مستحق تھے، ان خصوصیات کے ساتھ وہ قوم، ملک و ملت سب کے حق شناس ہین، اور ہر طبقہ اور ہر جماعت کو ان پر اعتماد ہے، اس لئے اُن کے انتخاب سے یونیورسٹی خطرات سے بھی محفوظ ہو گئی، اور یقین ہو کہ وہ نئے حالات سے ہم آہنگی کے ساتھ مسلم یونیورسٹی رہتے ہوئے علمی و تعلیمی حیثیت سے بھی ترقی کرے گی،

مقالات

تصوّف و سُلوک کی تجدیدات

از

جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی،

(۴)

بیعت و ارادت اب اس کے ساتھ بیعت و ارادت کی حقیقت و ضرورت بھی سن لین، جس مین افراط و تفریط یہ ہے، کہ ایک طرف اس کو سرے سے بعضون نے بدعت سمجھ رکھا ہے، اور دوسری طرف لوگون نے صرف ایک رسم بنا رکھا ہے، کہ بس دست بوسی و پابوسی کر لی، باقی خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہین، حالانکہ:-

"نری پیری و مریدی مین کچھ نہین رکھا اصل کام خود چلنا ہے، اور کسی رہبر کا ہاتھ کا پکڑنا، اگرچہ (رسمی) مرید کسی سے بھی نہ ہو، یہ مطلب نہین کہ سلسلہ مین داخل ہونے سے برکات کچھ نہین، لیکن اس کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہو، آج کل پیری و مریدی کے متعلق وہ جہل پھیلا ہوا ہے کہ الامان والحفیظ"[1]

بیعت کی اصلی حقیقت خود لفظ بیعت و ارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہو،

---

[1] الرفیق فی سواء الطریق ص ۶۰،

جیسا کہ اوپر ارادہ کی ماہیت میں حضرت نے واضح فرمادیا کہ ارادہ محض آرزو و تمنا کا نام نہیں، بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لئے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا، یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے، بس یہی اصطلاحًا ارادہ ہے، جو اپنی دینی خصوصًا باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بناکر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا، اور اس کی طرف چل پڑتا ہے، اور بیعت کے معنی ہیں اس منزل مقصود کے لئے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنا لینا، اور اس کے پیچھے یا ساتھ ساتھ چلنا، تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو، بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو، بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سونپ دینا جس طرح بائع مشتری کے ہاتھ اپنی چیز سونپ دیتا ہے، یا جیسے مریض کسی حاذق و ماہر طبیب کے حوالہ اپنے کو کر دیتا (ہے) اور دوا و پرہیز میں کاملًا اس کی تجاویز و ہدایات پر عمل کرتا ہے، اور خالی اس گھمنڈ میں کہ خود کوئی شخص لکھا پڑھا بلکہ عالم و فاضل ہے، اور طب کی کتابوں کو پڑھ لیتا ہے، یا باقاعدہ کسی استاد ہی سے پڑھ لیا ہے، مگر مطب نہیں کیا، اگر وہ خود اپنی بیماریوں کا علاج محض کتابوں یا کتابی نسخوں سے کرنے لگے، تو ہلاکت کے خطرات کو دعوت دینے کے سوا کیا ہے، باقاعدہ علاج و نسخہ نویسی کی لیاقت تو باقاعدہ کسی طبیب کے مطب میں دو چار سال بیٹھکر اور نسخہ نویسی کی مشق ہی سے حاصل ہوگی، حکیم کبیر الدین صاحب نے طب کی کتابوں کو باقاعدہ پڑھا ہی نہیں، بلکہ طب کے مشہور مستند مصنف ہیں، لیکن خود فرماتے تھے، کہ علاج کھانسی زکام کا بھی نہیں کر سکتا، اور بھی ایسے معلمین طب گذرے ہیں، (جیسے حکیم عبدالعزیز مرحوم دریابادی) جو عمر بھر طب پڑھایا کئے اور استاذ الاساتذہ رہے، مگر معالجہ کی مشق نہ تھی، نہ علاج کرتے تھے، ایک طب و طبیب پر کیا موقوف ہر عملی فن کا یہی حال ہے، کیا کوئی لوہار اور بڑھئی کا کام محض کتابیں پڑھ کر کرسکتا ہے؟ یا کھانا محض طباخی کی کوئی کتاب پڑھ کر پکا لیگا، بس وہی کچا پکا، الٹا سیدھا، وہ بھی بہت کچھ وقت اور سامان برباد کرنے کے بعد، پھر بھی خود رو ہونے کی خامی ہمیشہ باقی رہے گی،

"کتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کر سکتا، حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے۔"

طبیب ان ہی سے علاج کرتا ہے، مگر تم نہیں کر سکتے، اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا، تو شدید امراض کا علاج تو کبھی نہیں کر سکتے، مجھے ہر سال برسات کے اخیر میں بخار آیا کرتا تھا، اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے تھے، میں نے کہا لاؤ اس کو لکھ لیں جب بخار آیا کرے گا اس کو استعمال کر لیا کریں گے، چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا، مگر خاک نفع نہ ہوا، آخر کار حکیم صاحب کو بلایا، انھوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہوا، پھر تحقیق ہوا کہ اس سال صفراء کے ساتھ بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں، اب اگر میں یہ نسخہ بھی نقل کر لوں کہ چلو اس میں صفراء و بلغم دونوں کی رعایت ہے، تو یقینًا اس سے بھی اگلے سال نفع نہ ہوتا، کیونکہ اس کا مجھے اندازہ کیسے ہوتا کہ اس سال بلغم صفراء سے زیادہ ہے، یا مساوی ہے یا کم، اس کا اندازہ تو طبیب ہی کر سکتا ہے جو نبض کی حالت پہچانتا ہے، اس لئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے"،

(اشرف الجواب حصہ دوم ص ۱۸۶)

یہ بات دراصل بالکل موٹی اور معمولی ہے پھر بھی اتنی تفہیم و تمثیل کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ پہلے تو پرانوں میں خشک تو تب اور تر (یا نئی) تصوف کی بدولت یہ افراط و تفریط ہوئی کہ ایک نے بیعت و ارادت کو سرے سے حرام و بدعت قرار دیدیا، اور دوسرے نے بیعت کو وہ بھی خالص اس کی رسموں کو لازم و واجب سمجھ لیا، اور آج کل تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے، کہ دینی اصلاح و درستی یا باطنی علاج و معالجہ الگ رہا، اس کا تصور ہی سرے سے مفقود ہے، ظاہری دین اور دینی مسائل تک کے لئے باقاعدہ کسی تعلیم حتی کہ براہ راست مآخذ (کتاب و سنت) سے واقفیت تک کو ضروری نہیں جانتے، بس اردو انگریزی میں قرآن و حدیث کے کچھ ترجمے یا ادھر ادھر کے اخباری مضامین پڑھ کر ہی دین کے مفتی ہی نہیں مجتہد و مجدد سب کچھ بن جاتے ہیں،

کیا جہل مرکب ہے کہ وکیل بننے کے لئے تو گھر بیٹھ کر وکالت کی کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ

باقاعدہ لکچروں کی تکمیل و امتحان کے بعد بھی کسی سینیر مشاق وکیل کے ساتھ کام کرنا اور تجربہ حاصل کرنا ہوتا ہے، اور وہ بڑا احمق ہوگا، جو قانون کے کسی ایسے مشہور سے مشہور پروفیسر کے ہاتھ میں اپنا مقدمہ دیدے جس نے نہ عدالت کی صورت کبھی دیکھی ہو، نہ عدالتی کام کا عملی تجربہ رکھتا ہو، سائنس کی کتابوں کو خود پڑھ کر یا استاد کے محض لکچر سن کر کوئی سائنسداں نہیں بن جاتا جب تک معمل (لیبوریٹری) میں اختبارات و مشاہدات نہ کرے، حالانکہ ان معاملات و مقدمات، تجربات و مشاہدات کا تعلق اس دنیا اور عالم شہادت سے ہے لیکن دینی مسائل جن کا رشتہ عالم غیب و آخرت کے مابعد الطبیعاتی مسائل سے جڑا ہوا ہے، اُن کو ہر لیڈر، ہر اڈیٹر اور ہر ہیڈ تختۂ مشق بنانے کا حق رکھتا اور ان پر مجددانہ و مجتہدانہ اظہار خیال فرماتا ہے!!

انتہا یہ کہ خود تصوف اور اسلامی تصوف پر ایسے ہی حضرات تنقید و تحقیق فرمانے لگے ہیں، اور ہمنہ بارے اس تحقیق (ریسرچ) کی اسناد دلاتے ہیں، ایک بڑے مشہور عالم و مصنف نے محض کتابی معلومات کے زور پر کسی جگہ تصوف پر ایسا ہی عالمانہ لکچر دیا، تو مجمع نے کسی کیا خوب داد دی کہ حضرت اگر تصوف خالی کتابوں سے حاصل ہو جاتا، تو میں آپ سے بڑا کسی کو صوفی نہ جانتا،

غرض ارادت و بیعت کا مطلب کمال دین یا دین کے مرتبۂ احسان کی طلب میں نکل پڑنا، اور اپنے سے زیادہ کسی واقف کار رہبر کے پیچھے ہو لینا ہے، یا یوں کہو کہ اس مرتبہ دین کا تعلق چونکہ خصوصیت کیساتھ قلب و باطن کی اصلاح اور اس کے امراض کے ازالہ سے ہے، اس لئے کسی شفیق و حاذق طبیب کے زیر علاج اپنے کو دیدینا،

حضرت علیہ الرحمہ نے اس کو پیر و مرید یا شیخ و طالب کے مابین ایک ایسے معاہدہ سے تعبیر فرمایا؟ جس میں شیخ کی طرف سے اصلاح کا وعدہ ہوتا ہے، اور طالب کی طرف سے اتباع کا، بیعت کی اس ماہیت کو جان لینے کے بعد ظاہر ہے کہ رسمی بیعت فرض و واجب بالکل نہیں، اس کا نفع صرف سلسلہ کی برکت کا حصول ہے، یا ایک نفسیاتی فائدہ جیسا کہ ایک حیدرآبادی جامع حال و قال بزرگ (حضرت

مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے، کہ مُرید کان دیدیتا ہے یعنی پیر کی باتوں کو قدرۃً زیادہ توجہ سے سنتا اور مانتا ہے،

ورنہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ہاں تو نفس اس رسمی بیعت کی جو حیثیت تھی اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے فرمایا جا سکتا ہے، کہ ایک صاحب کو سالہا سال کی تعلیم و تربیت کے بعد جب اجازت عطا فرمانا چاہا، تو انھوں نے عرض کیا حضرت ابھی تو احقر کو مرید بھی نہیں فرمایا گیا! فرمایا اچھا آؤ مرید بھی ہو جاؤ! اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ مجھکو یاد بھی نہیں رہتا کہ کون مرید ہے کون نہیں بس میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ کام میں کون لگا ہے، بیعت کی درخواست کرنے والوں میں سے بالعموم ابتدا میں ایسے ہی جرحی سوالات فرماتے، جن سے بیعت کی اصل غرض و غایت ان پر کھل جائے، ورنہ معمولاً لوگوں کے ذہن میں بیعت کی جو اغراض ہوتی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

"بعضے صاحب کشف و کرامت بنا چاہتے ہیں، تو اس کا خود شیخ میں ہونا ضرور نہیں، تو مرید اس کی کیا ہوس کرے، بعضے سمجھتے ہیں، کہ پیر بخشش کے ذمہ دار ہو جائیں گے، حالانکہ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ تک کو فرمایا تھا،

یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار — فاطمہ اپنے کو دوزخ سے بچاؤ،

تو بھلا اور کون پیر کسی مرید کو بچا سکتا ہے، جب تک خود مرید ہی اس کی کوشش نہ کرے،

بعضے جانتے ہیں کہ پیر صاحب ایک ہی نظر میں کامل کر دیں گے، اگر اس طرح کام بنجاتے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا، کہیں بطور خرق عادت ایسا ہو بھی گیا، تو خوارق میں دوام و لزوم نہیں، اس بھروسہ پر رہنا بڑی غلطی ہے،

"بعضے چاہتے ہیں کہ خوب جوش و خروش، شورش و مستی پیدا ہو، اگن و آب سے آب

چھوٹ جائیں خواہش ہی مٹ جائے، نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، آپ سے آپ ہوجایا کریں، وساوس وخطرات سب فنا ہوجائیں، بس ایک محویت کا عالم رہا کرے، یہ خیال بعضے خیالوں سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے لیکن منشاء اس کا بھی نادانی ہے، یہ امور منجملہ کیفیات واحوال کے ہیں جو اختیار سے خارج ہیں، اور گو محمود ہوں، مقصود نہیں، بلکہ ایسی خواہشوں میں نفس کا ایک خفی کید ہوتا ہے، کہ وہ طالب ہے راحت ولذت وشہرت کا اور ان کیفیات میں یہ سب امور حاصل ہیں ورنہ طالب رضا کو جو اصل مقصود ہے، ان خواہشوں سے کیا علاقہ،

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

پھر ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہوتا ہے، اگر یہ کیفیات حاصل ہوگئیں تب تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اسی کو غایت سمجھتا تھا، اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگتا ہے، اور انہی پر قناعت کرکے تقویٰ وطاعات سے بےفکر ہوجاتا ہے، یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوئیں تو ان کے غم میں مرنے لگتا ہے، اور جو غیر اختیاری امور کا طالب ہوگا، ہمیشہ مبتلائے غم وپریشانی رہے گا،

بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں، ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب بڑے مقبول الدعوات ہیں، معاملات ومقدمات وغیرہ میں ان سے دعا کرایا کریں گے، سب کام ہوجایا کریں گے، گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ میں ہے یا خود ہم ایسی ہی چیز سیکھ لیں گے، بلکہ ایسے لوگ تمام تر بزرگی کا خلاصہ ان ہی عملیات اور ان کے آثار کو سمجھتے ہیں، جو محض دنیا کی طلب ہے اس لئے فاسد در فاسد ہے،[۱]

حیدرآباد میں ایک بڑے عہدہ دار خاصے پڑھے لکھے نماز روزہ کے پابند ایک دن فرمانے لگے کہ اب

[۱] قصد السبیل ہدایت چہارم۔

کوئی بزرگ نہیں رہا، کیوں؟ اس لئے کہ دکن وہندوستان سب جگہ کوشش کی کوئی میرا تبادلہ فلاں جگہ بلدہ نہیں کراپاتا،

"بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر وشغل کرنے سے کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا کچھ آوازیں سنائی دیں گی یہ محض ہوس ونافہمی ہے، اول تو ذکر وشغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری ہے، اور نہ ذکر وشغل سے یہ مقصود ہے، دوسرے یہ انوار واصوات وغیرہ بعض اوقات خود اس کے دماغ کا تصرف ہوتا ہے، عالم غیب کی اشیاء میں سے نہیں ہوتیں، تیسرے بالفرض اسی عالم کی چیزیں منکشف ہوگئیں، تو فائدہ کیا، کسی عالم کے منکشف ہوجانے سے قرب نہیں بڑھتا، قرب کے لئے تو طاعات بنائی گئی ہیں، بعض اوقات شیاطین کو ملائکہ نظر آنے لگتے ہیں، مگر وہ شیاطین کے شیطان ہی رہتے ہیں، پھر مرنے کے بعد تو مومن کافر سب ہی کو اس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہوجائے گا، تو کیا اسی سے قرب مقصود سب کو حاصل ہوجائے گا،

غرض یہ چیزیں بیعت کی صحیح غرض کوئی بھی نہیں، اس لئے سب کو دل سے نکال کر سلوک کی اصلی غرض ومقصود رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کو بجالانا، اور ذکر کی مداومت کرنا (یعنی غفلت کو رفع کرنا ہے) اور پیری مریدی کا حاصل یہ ہے کہ

"شیخ اسی کی تعلیم کرتا ہے اور مرید کاربند ہوتا ہے، اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو، نہ اس کے زعم کے مطابق کوئی کمال حاصل ہو، تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ جو کہ رضا ہے، ظاہر ہوگا، اور اس رضا سے دخول جنت ولقائے حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی، شیخ کی طرف سے اسی کی تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے پیری ومریدی کی

"اور گو یہ تعلیم اور اس پر عمل بدون بیعت متعارفہ کے بھی ممکن ہے لیکن بیعت میں طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہوجاتی ہے، اور مرید کو فرمانبرداری کا پاس زیادہ ہوجاتا ہے، اور یہی حکمت ہے

شیخ کی تعیین اور وحدت مین کہ جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے، باقی ہاتھ مین ہاتھ لینا، یا عورت کو کوئی کپڑا وغیرہ پکڑا دینا محض ایک مستحسن عادت ہو، اس معاہدہ کی تاکید کے لئے، نہ کہ نفس معاہدہ یا بیعت کا جزو، اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہین، اور استحسانِ سُنّت مین بھی وارد ہے، چنانچہ مردون کے لئے ہاتھ مین ہاتھ دینا منقول ہے، اور کپڑا وغیرہ ہاتھ مین دینا یہ اخذ ید کے قائم مقام ہے،[لہ]

باقی محض رسمی "اخذ ید" یا کسی پیر خصوصًا نام کے پیر کا نام کے لئے ہاتھ پکڑ لینا، اس کی نسبت ایک موقع پر نہایت جوش و قوت کے ساتھ ارشاد ہوا کہ

"اجی کس کی پیری و مریدی بنے پھرتے ہو، یہ تو ہتھکنڈے ہین، بیعت کی صورت ضروری نہین، اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے، غرض مرید ہونے کی ضرورت نہین، پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کردو، بس ہوگیا تعلق، واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی مین ہوتا ہو، اب لوگون کا عجب حال ہے، کہ کام تبا ذ تو نہ کرین، بس بیعت کا نام چاہتے ہین، بیعت کی محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے، چنانچہ جو پیر ایسے ہین، کہ مرید کرتے ہین لیکن کام کچھ نہین بتلاتے، اُن سے لوگ بہت خوش ہین، اور مین مرید تو کرتا نہین کام بتلاتا ہون، تو مجھ سے ناراض ہین،

یون سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہین فقیری کے، وہ جو انجھر ہین پریم ہین کے وہ مریدون ہی کو بتائے جاتے ہین، مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے وہ انجھر بتا دے گا اور ہم اللہ والے ہو جائینگے، میان خدا رسول کا نام لو اور احکام بجا لاؤ، بس یہی انجھر ہین؛ اصلاحِ نفس کے طریقے پیر سے پوچھو یہی بھید ہین، اگر کوئی کہے کیا باطنی طریق بس یہی ہے، تو ہم با واز دہل کہین گے کہ ہان یہی ہے، اور بس طریق مین کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئین گے، بڑی بڑی کیفیات بھی

لہ قصد السبیل ہدایت چہارم،

طاری ہون گی، مگر یہ مقصود نہین،

بھائی حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہین، نظر آئے تو کیا، نہ نظر آئے تو کیا، سڑک تو بہر حال قطع ہو گی، بس چلتے رہنا شرط ہے، اور بعضون کو یہ درخت اور پھول عمر بھر نظر نہین آتے واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہین، طریق مین بس ایسے ہین، جیسے سڑک پر دو طرفہ گلاب اُم بیلے کے درخت لگے ہون، اگر کبھی ہم نیچی نظر کرکے چلتے ہین تو کیا راستہ قطع نہین ہوتا، راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے، چاہے درخت نظر پڑین یا نہ پڑین،[سلہ]

"غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے، نہ بغیر رفیق سیدھا راستہ ملتا ہے، اگر ایک نابینا کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اس کو خود چلنے کی ضرورت ہے، اگر چلے ہی نہین تو ہزار رفیق ملتے پر بھی رستہ قطع نہ ہو گا، لیکن چلنے کے بعد پیر اور رفیق کی بھی ضرورت ہو، کیونکہ اگر رہبر نہو تو ناآشنا راستہ مین ضرور کسی جگہ ٹھوکر کھا کر گرے گا، بے خطر منزل پر پہنچنے کی صورت یہی ہے، کہ اپنے پیرون چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑے، بالکل ویسی ہی حالت اس رستہ کی بھی ہے، کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا، اپنے پیرون چلنا ہے، اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا ہے،"

صحبت و تعلق بیعت کی اصلی اور بڑی ضرورت یہی رفاقت یا پیر کی صحبت و تعلق ہے، تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکرون سے حفاظت ہو، اور یہ ایسی موٹی بات ہے کہ دنیا کے کسی موٹے سے موٹے کام مین بھی اس کام کے ماہر و تجربہ کار کی صحبت و اعانت کے بغیر بصیرت پیدا نہین ہوتی، کسی علم و فن کے معلومات اور چیز ہین، اور بصیرت اور چیز، معلومات تو باغبانی اور کاشتکاری کی کتابین پڑھ کر بھی ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہین، لیکن خالی ان کتابی معلومات کی بنا پر اگر ہم باغ لگانا اور کھیتی کرنا شروع کر دین تو کیا قدم قدم پر ٹھوکرین نہ کھائین گے، بخلاف اس کے اگر کچھ دن کسی تجربہ کار باغبان و کاشتکار کے ساتھ

سلہ اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۶۱،

بڑے بڑے علماء و اولیا، کو اب نصیب نہیں ہو سکتی، اور جن کو کچھ تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک دن کی صحبت سے جو کچھ نصیب ہوتا ہے، وہ سالہا سال کی کتاب خوانی سے نصیب نہیں ہوتا، اور اس میں کچھ زیادہ مبالغہ نہیں کہ

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

غرض صحبت کی اس ناگزیر ضرورت کی بنا پر قصد السبیل و تعلیم الدین وغیرہ میں جہاں جہاں بیعت و سلوک پر بحث و گفتگو فرمائی گئی ہے، صحبت کی خاص طور سے تاکید ہے کہ بیعت کے بعد اگر وقت و مہلت میسر ہو تو چند پیر کی خدمت میں رہے، یا کبھی کبھی اپنے پیر کے پاس یا اور کوئی خوش عقیدہ متقی بزرگ موجود ہو تو اس کے پاس بیٹھا کرے،

اور اگر ذرا طویل صحبت میسر ہو جائے تو یہ بصیرت ایسی بڑھ جاتی ہے، کہ واقعی اس کے قبل کی اپنی حالت بالکل احمقانہ معلوم ہونے لگتی ہے، اس احمق راقم پر تو بالکل یہی گذری کہ تھوڑی بہت کتابیں پڑھی تھیں خالی کتاب خوانوں کی صحبت بھی اٹھائی تھی، فراغت کی سند بھی حاصل تھی، تصنیف و تالیف کا بھی کچھ دعوی تھا، عقل و فہم میں بھی ہم چشموں میں برا نہ خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں چند ہی حاضریوں کے بعد معلوم ہو گیا کہ جس کو دین کی فہم و بصیرت کہنا چاہئے اس کے اعتبار سے خدا گواہ ہے کہ زرا احمق اور گنوار ہی تھا!

"کتنا ہی بڑا عاقل ہو، مگر عالم نہ ہو اور کسی محقق عالم کی صحبت میں رہا ہو، اس کو کسی محقق کی صحبت میں چھ مہینے کے لئے بھیجدو، خدا کی قسم اس چھ مہینے میں وہ محقق ثابت کر دے گا، اور اس عاقل کی زبان سے اقرار کرائے گا، کہ میں احمق ہوں، اور اس وقت قسم سے زیادہ اور کسی ذریعہ سے یقین نہیں دلا سکتا، اگر اس سے زیادہ دلیل کو جی چاہے، تجربہ کر لو، کہ چھ مہینے کی رخصت لو، پھر محقق کا پتہ ہم سے پوچھ لو، اس وقت دیکھ لوگے کہ یہ شخص آئے گا تو اپنے کو عاقل

---

[۵] اشرفیہ تمام وعظ ص ۳۹،

یا اس کی صحبت میں اس کام کو کریں تو اس کے نشیب و فراز کی ایسی بصیرت یا اندرونی بینائی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی بالکل ہی اٹی زمین دیدی جائے، تو اس سے کام لینے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی،

لیکن اس زمانہ میں لوگوں کو دین کے معاملات میں خصوصاً یہ بیماری وبا کی طرح لگ گئی ہی، کہ رہبری ہی کے لئے نہیں، بلکہ جہالت کی انتہا ہے، کہ رہبری اور تجدید و اجتہاد تک کے لئے محض کتابی معلومات کی بنا پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی صحبت سے محروم اچھے اچھے دینی علوم و معلومات والے ضال و مضل دونوں ہو رہے ہیں، احقر کی سمجھ میں ان حضرات کی حالت ایسے نو مسلم کی سی ہوتی ہے، جس کا اسلام تمامتر کتابی معلومات سے ماخوذ ہو، وہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ سب کے فرائض و سنن ارکان و شرائط محض کتابیں دیکھ دیکھ کر پورا کرتا ہو، جس کے مقابلہ میں ایک پابند صوم و صلوٰۃ مسلمان گھرانے کا ان پڑھ بچہ گھر والوں کو دیکھ دیکھ کر زیادہ صحیح طور پر وضو نماز وغیرہ کے واجبات و مستحبات ادا کر سکے گا، غرض کوئی علم و فن ہو، اس کے علمی ماہر کی صحبت کے بغیر اناڑی پن مشکل ہی سے نکلتا ہے،

"بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل و مکمل ہوا ہے، ارے بھائی موٹی بات ہے، کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا، حتی کہ بسولا بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدے سے نہ اٹھایا جا سکے گا، بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا، بلا خوش نویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا، غرض بدون کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا، لہذا پیر کامل کی صحبت لازم ہے"[۱]

اور ہمارے لئے تو صحبت کی حاجت و اہمیت کی سب سے بڑی دلیل صحابیت ہے، کہ ادنی سے ادنی صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہاء، اور بڑے بڑے اولیاء و اقطاب پر مسلم ہے، ظاہر ہے کہ اس فضیلت کا مدار نہ کتابوں پر ہے کہ اکثر صحابہ بہرہ سے اتی تھے نہ کثرت معلومات پر کہ ان کے مقابلہ میں بعد کے معمولی علماء کی بھی نقلی معلومات ان سے زیادہ ہوتی ہیں اس فضیلت کا مدار محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ہے جس نے اعلیٰ کیا جس کے مساوی صحبت بھی بعد کے

کہتا ہوا، مگر جائے گا یہ کہتا ہوا، کہ میں احمق ہوں نہیں، بلکہ پہلے احمق تھا، کیونکہ اب تو اس محقق کی برکت سے عقل آجائے گی،

علمی و دینی یا باطنی تحقیق و بصیرت کا تو ذکر ہی کیا، روزمرہ کی ظاہری و معمولی باتوں میں جن چیزوں کو ہم تہذیب و کمال سمجھتے ہیں، حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے متعلق بھی قدم قدم پر اپنی حماقتوں کا ادراک ہوتا تھا، جونپور کے ایک شاعر حاضر ہوئے جو عرفی تہذیب سے آراستہ تھے،

"چند روز رہنے کے بعد جب واپس گئے، تو ایک رسالہ لکھا، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ عمر بھر جسے ہم تہذیب سمجھا کئے، وہاں (تھانہ بھون) جا کر معلوم ہوا کہ وہ تہذیب ہی نہ تھی، ایک اور دہلی کے طبیب چند روز رہ کر کہنے لگے، کہ جن کو ہم اب تک کمالات سمجھتے تھے سارے نقائص نکلے، اور جنھیں ہم ہنر سمجھتے تھے، وہ سب عیوب تھے"[۱]

وحدتِ شیخ اسی سلسلہ میں ایک اور بڑی ضروری یاد رکھنے والی بات یہ فرمائی جس سے وحدتِ شیخ اور وحدتِ صحبت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے، خصوصًا ابتدا اور خامی کی حالت میں اگر ہمارا تعلق کئی شیوخ سے ہو یا مختلف رنگ و مذاق کے اہل اللہ کی صحبتوں میں حاضر ہوں، تو اس آزادی و بے قیدی کی بدولت حصولِ اطمینان کے بجائے انتشار میں مبتلا ہو جانا یقینی ہے،

"امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں اور اطلاق معزہے کیونکہ اطمینان اور چین بدون تقیید کے نہیں ہوتا، مثلاً ہم نے یہ ارادہ کر لیا کہ جب بیمار ہوں گے فلاں طبیب کا علاج کریں گے تو اطمینان ہے کہ طبیب موجود ہے، بیماری کا خوف نہیں ہوگا، نہ بیماری کے وقت سوچنا پڑے گا، کہ کس کا علاج کریں، اور اگر مقید نہیں ہیں مثلاً ہم کسی خاص طبیب کے پابند نہیں ہیں، آج ذرا سا تغیر پیش آیا ایک طبیب سے رجوع کیا، دوسرا تغیر پیش آیا دوسرے

[۱] الشریعۃ نام وعظ ص ۳۹،

سے رجوع کیا، تیسرا پیش آیا، تیسرے سے رجوع کیا، تو اس میں دل کو چین نہ ہوگا، ہر وقت فکر رہے گی کہ اب کی تغیر میں کس سے رجوع کریں،

یہ ایسی مثال حضرت نے دی کہ ظاہری علاج میں اس کا روزانہ ہی تجربہ ہوتا رہتا ہے خصوصًا آجکل تو طرح طرح کے طبیبوں اور علاج کے نت نئے طریقوں اور طبائع کی عدمِ تقیید و آزادی کی بدولت یہ حال ہے کہ مریض تختۂ مشق بن کر رہ جاتا ہے، کبھی یونانی علاج کبھی ڈاکٹری علاج، پھر کبھی اس ڈاکٹر کا کبھی اس ڈاکٹر کا، کبھی یونانی ہے، تو اس میں بھی کبھی یہ حکیم، کبھی وہ، پھر کبھی ہومیو پیتھک ہے، کبھی قدرتی علاج ہے، اس میں نہ صرف بیمار و تیماردار سب کا اطمینان قلب رخصت ہو جاتا ہے، بلکہ بارہا مال کی اضاعت کے ساتھ مریض کی ہلاکت کا ظاہری سبب بھی اس طرح تختۂ مشق بن جانا ہی ہوتا ہے، بس ایک دفعہ سوچ سمجھ کر معالج کو تجویز کر لیا، جو مہارت و حذاقت میں چاہے اوسط درجہ ہی کا ہو، مگر آج کل کے عام معالجین کی طرح نظر مریض کے مرض سے زیادہ اس کی جیب پر نہ ہو، پھر اگر کسی بیماری میں معتدبہ مدت تک اس کے علاج سے نفع نہ ہو، تو اسی سے دوسرا معالج بھی تجویز کرا کے اس کے ساتھ شریک کرے،

راقم ہذا کا تجربہ ہے کہ اپنے اور اپنے گھر بھر کے لئے یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایک بڑے مخلص معالج[۱] نصیب ہو گئے ہیں، جن کی نظر مریض کے مرض اور عند اللہ اجر کے سوا قطعًا کسی چیز پر نہیں، بس جو بیمار ہوا اُن کے حوالہ، اور الحمد للہ کہ اس کم و بیش پچیس سال کی مدت میں لکھنؤ کے قیام میں کبھی کسی دوسرے سے براہِ راست رجوع کی نوبت نہیں آئی، اور کبھی ضرورت محسوس ہوئی تب بھی بہت ہی کم تو انہی سے درخواست کر کے انھی کی تجویز سے اور انہی کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر لیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے دو چار کے سوا جن کا وقت پورا ہو چکا تھا، باقی سب کو دیر سویر شفا ہی عطا فرمائی، اور قلب کو اس سے جو اطمینان رہتا ہے اس کا حال تو راقم ہی اس تجربہ کی بنا پر خوب جانتا ہے، کہ بیماری سے قبل ہم

[۱] بلکہ ولی کامل ڈاکٹر حکیم سید عبد العلی صاحب مدظلہ،

بیماری کے دوران دونون مین کتنی بے فکری رہتی ہے، اللہ تعالیٰ سراپا ایمان واخلاص معالج کو ہم سب کی طرف سے ہزارون ہزار درجات عطا فرمائے،!

اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے باطنی امراض کے باب مین حضرت علیہ الرحمۃ سے تعلق تربیت کے بعد دستگیری فرمائی، کہ پھر کسی طرح کی بے قیدی کی ضرورت و نوبت نہین پیش آئی، حالانکہ تعلیم و تربیت تمامتر ایک ایسی درسگاہ مین ہوئی تھی جس کا طرۂ امتیاز ہی بے قیدی و آزادی ہے، پھر باطن کا یہ مریض باطنی دق کے بالکل آخری درجہ مین تھا، اس لئے اس کی زندگی کا جو رمق بھی رہ گیا، اور جسم ظاہری گوناگون بیماریون اور پریشانیون کے باوجود قلب و باطن مین جو کچھ بھی نام چار کو سکون و اطمینان میسّر ہے، وہ حضرت ہی کی ذات اور تحریرات کے ساتھ تعلق کا طفیل ہے، بلکہ ظاہر اسباب اس جسم ناتوان کے ساتھ جان کا رشتہ اب اسی سے قائم ہے، ورنہ جسم کی بیماریون اور حالات کی ناسازگاریون نے اجل مسمّی کے انتظار کے سوا کچھ چھوڑا نہین ہے،

جن کو حضرت کی ذات سے تعلق کی سعادت نصیب نہین ہو سکی، اُن کی خدمت مین اپنے ہی نہین، دوسرون کے بھی کثیر تجربات کی بنا پر عرض ہے، کہ حضرت کی تحریرات کا درجہ بس حضرت کی ذات کے بعد دوسرا ہی ہے، ابتدا خصوصاً مواعظ و ملفوظات سے فرمائی جائے، اور مقدم ملفوظات کو کرنا چاہئے، جس سے بالواسطہ صحبت کا نفع ہو گا، خود حضرت نے بھی براہ راست صحبت میسّر نہ آنے کی صورت مین بزرگون کے ملفوظات ہی کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی ہے، بشرطیکہ نیت دینی و باطنی اصلاح و استفاضہ کی ہو، نہ کہ آج کل کی طرح علمی و ادبی تحقیق و تنقید کی، تقوی پر ایک وعظ مین اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا اور قائم رکھنے کے سلسلہ مین فرماتے ہین، کہ

"اس محبت کے قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے، زیادہ نہ ہو تو کم از کم ہفتہ مین ایک ہی بار یا مہینہ مین ایک بار، اس مین خاصیت یہ ہے کہ اس کے اندر

جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آوے گی، اور مین آپ سے دنیا کے کام نہین چھڑاتا، اپنی فرصت کے وقت اُن کے پاس جا کر رہئے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو، تو ان کے ملفوظات ہی پڑھئے، لیکن محض تذکرہ اور فن کی کتابون کی طرح نہ دیکھئے" (ص ۱۹)

ان مین مجدد وقت کے ملفوظات کو بالخصوص اس لئے پڑھنا چاہئے کہ وہ قدرۃً وقت کے حالات و تجدیدات کے مناسب ہین، بلکہ ابتدا مین قدیم بزرگون کے ملفوظات پڑھنے سے طرح طرح کی غلط فہمیون اور بدگمانیون کا اندیشہ ہے، خصوصاً مبتدیون اور کم علمون کو، احقر کا واسطہ عمر بھر زیادہ تر اس زمانہ کے حالات و خیالات سے متاثر اور انگریزی دانون ہی سے رہا، اور ان کو ہمیشہ پہلے حضرت کے ملفوظات پڑھنے کو دیئے، تو نہ صرف دین کے متعلق اُن کی طرح طرح کی غلطیون اور غلط فہمیون کا ازالہ ہوا، بلکہ تصوف کے ساتھ نفس دین سے بھی بڑھ کر جو عجیب عجیب بدگمانیان تھین وہ دور ہو کر غالبانہ ذوق و شوق پیدا ہو گیا،

صحبت سے دین دل مین رچ جاتا ہے

لہٰذا اہل اللہ کی صحبت سے محض فہم دین کی بصیرت ہی نہین پیدا ہوتی، بلکہ صحبت کی بالکل قدرتی و نفسیاتی خاصیت یہ بھی ہے، کہ مصاحب کے اندر جو چیز ہے، وہ شدہ شدہ اس کے اندر بھی آوے گی، مزید برآن آدمی بتکلف و تعمد عمل بھی اختیار کر لے سکتا ہے، مگر بلا صحبت کے دین قلب و روح مین رچتا یا سرایت بمشکل ہی کرتا ہے، اور اس عمل کی نوعیت بس زیادہ سے زیادہ ایسے مزدور یا تنخواہ دار نوکر کے کام کی ہوتی ہے، جس کو آجر یا آقا سے کوئی قلبی تعلق نہین ہوتا، اسی کو مذکورہ بالا وعظ (تقوی) مین فرمایا کہ "صورت عمل تو دوسری چیز ہے لیکن اصل دین وہ ہے جو قلب مین رچ جائے سو یہ صحبت پر موقوف ہے"،

غرض محققین اہل اللہ کی صحبت یا یہ نہ میسّر ہو تو کم از کم ان کے ملفوظات وغیرہ کا مسلسل بنظر اصلاح و استفادہ مطالعہ نہ صرف دین کی صحیح فہم و بصیرت کے لئے ضروری ہے، (جو نام ہے باطنی روشنی کا جیسے

بصرِ ظاہری نگاہ ڈالا، بلکہ اس سے اہل اللہ کا ایمان و عمل ہمارے اندر منتقل ہوتا اور قالب سے تجاوز کر کے قلب و روح میں اترتا، یا رچ جاتا ہے؛

لیکن کیا عرض کیا جائے کہ اس بالکل عقلی بلکہ موٹی بات سے اچھے اچھے اہل علم کو ایسی بے پروائی ہے، کہ محض اپنی علمی، بلکہ دراصل محض معلوماتی و تصنیفی قوت اور نرے معلومات کی وسعت کو نہ صرف اپنی اصلاح کے لئے کافی سمجھ لیا ہے، بلکہ اسی بھروسہ پر اصلاح کی مستقل تحریکوں کے امام و علمبردار بن جاتے ہیں، جس کی بدولت اپنی اعلیٰ ذہانت و قابلیت کے باوجود اپنے اور دوسروں کے حق میں ویسے ہی طبیب و معالج بن جاتے ہیں، جس نے کسی طبیب کے پاس باقاعدہ مطب کے بغیر محض کتابی معلومات اور قدرتی ذہانت کے زور پر اپنا اور دوسروں کا علاج شروع کر دیا ہو، بلکہ امامت کا جھنڈا ہاتھ میں لینے کے بعد کسی کی اقتدار و اتباع کا امکان اور بھی دور تر ہو جاتا ہے؛ تاہم طلب و تشنگی کے لئے راستہ کبھی بند نہیں، نہ پانی کا قحط ہے؛

آب کم جو تشنگی آور بدست تا کہ آبت جوشد از بالا و پست

عشق و محبت: نہ صرف مسلمان صوفیہ کے عالم و جاہل عوام و خواص تمام طبقوں میں عشق و محبت کا لازمۂ تصوف یا عین تصوف ہونا مسلّم ہے، (حتی کہ نام ہی اس کا طریق عشق ہے، بلکہ تمام دیگر مذاہب بلکہ فلسفہ تک میں جہاں کہیں تصوف کے ہم معنی یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز ایسی ملتی ہے، جس کو مغربی ادبیات میں مسٹری سزم (مسٹسزم) کہا جاتا ہے، اس میں بھی بڑا خاص عنصر عشق و محبت ہی ہے، حتی کہ ہمارے مغربی محققین نے تو داد تحقیق یہاں تک دی کہ مسلمان صوفیہ میں عشق و محبت کی تعلیم کو ان بیرونی اثرات سے ماخوذ قرار دیدیا، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نفس تصوف ہی کو اسلام میں بہت بعد کی اور بیرونی اثرات کی پیداوار کہدیا، حالانکہ اسلامی تصوف کی خود محققین صوفیہ کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ وہ نام ہے عین اسلام و شریعت، بلکہ کمال اسلام و شریعت کا، حتی کہ حضرات صوفیہ میں سب سے بڑا صوفی حضرات صحابہؓ

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں، اور یہی خلاصہ اس باب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تجدید کا ہے جیسا اوپر پوری طرح معلوم ہو چکا،

اتنا ہی نہیں حضرت نے تو قرآن و حدیث سے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیئے ہیں[۵۱]، اور فرمایا کہ غور کرتا تو اتنے ہی اور ثابت کر دیتا اس کی کچھ مثالیں انشاء اللہ آگے اپنے موقع پر آئیں گی، یہاں اس ذکر کا مدعا صرف یہ ہے کہ جس اسلامی تصوف کے دو ہزار اصولی و فروعی مسائل خود قرآن و حدیث سے ثابت و مستنبط ہوں، اس میں اب آخر کون سی اہم اور انوکھی بات رہ گئی ہو گی جس کے لئے اسلامی تصوف اسلام کو چھوڑ کر غیروں کا دست نگر ہو سکتا! بات یہ ہے کہ افہام و تفہیم کیلئے بعض رائج الوقت بیرونی تعبیرات و اصطلاحات سے کام لیا گیا، یا غیروں کی بعض محض تدبیری چیزیں تدبیر ہی کے درجہ میں اختیار کر لی گئیں، جیسے کہ پاس انفاس وغیرہ جس کی مثال بقول حضرت مجدد وقت کے ایسی ہی ہے، جیسے غزوۂ خندق میں فارسیوں کی خندق کی تدبیر، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بتلانے سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی، اب اگر اس پر کوئی عقلمند تحقیق یہ داد تحقیق دینے لگے، کہ اسلامی جہاد ایرانیوں یا فارسیوں کے اثرات سے ماخوذ ہے، تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ع

برین عقل و دانش بباید گریست

اس باب میں ان محققین نے غیر اسلامی اصطلاحات سے بہت دھوکا کھایا ہے، تو ان کی نسبت یاد رکھنا چاہئے، کہ اصطلاحات دو قسم کی ہیں، ایک جو مقاصد سے متعلق ہیں، (جیسے رضا و قرب وغیرہ) وہ تو شریعت سے الگ نہیں، بلکہ مقاصد میں اصطلاحات تصوف کی حقیقت وہی ہے، جو شریعت میں مذکور ہے، دوسری وہ اصطلاحات ہیں جو امور زائدہ کے متعلق ہیں، وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں،

---

[۵۱] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم، ص ۲۰۰،

جیسے تجدد امثال توحید وجودی شغل رابطہ وغیرہ (اشرف المسائل ص ۴۳)

باقی نفس عشق و محبت کی تعلیم تو اگر ان محققین نے قرآن مجید ہی کو کھول کر دیکھ لیا ہوتا تو نظر آجاتا کہ صوفی ہونا تو درکنار، قرآن کی رو سے تو مسلمان اور مومن ہونے ہی کے لئے اللہ تعالیٰ کا عشق و محبت لازم ہے، اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ، اور عشق اشد حب کے سوا نام ہی کس کا ہے، اسی طرح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نسبت ارشاد ہے، کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں"،

"عشق لوازم ایمان سے ہے، جب تم نے آمنّا کہا تو عشقنا کا التزام بھی کر لیا، جیسے کوئی کہے کہ مجھ پر نان نفقہ بی بی کا کیسے واجب ہوگا، میں نے تو اس کا التزام نہیں کیا تھا، صرف قبلتُ النکاح کہا تھا، تو ہر شخص یہی کہے گا کہ قبلتُ کہنے ہی سے تو شوہری کے حقوق لازم ہوگئے، اسی طرح جب لا الٰہ الا اللہ کہا بس عاشق ہوگئے، کیونکہ اس کلمہ سے مومن ہوگئے اور مومن کے بارے میں ارشاد ہے کہ

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ، یعنی جو خدا پر ایمان لائے وہ خدا کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں،

تو تصدیق ایمانی کے ساتھ ہی سارے کے سارے عاشق ہوگئے، تو اب عشق کے حقوق ادا کرو، بس کان مت ہلاؤ، سیدھے محبوب کے حکم پر چلتے رہو"

(الشریعۃ صفحہ ۳۲ و ۳۳)

حب عقلی | البتہ اسلامی تعلیمات جس طرح ہر امر میں افراط و تفریط کی ناہمواریوں اور نشیب و فراز سے پاک ہیں، اسی طرح عشق و محبت کے معاملہ میں بھی طبعی یا نفسانی جوش و خروش بیخودی و جامہ دری مامور و مطلوب بالکل نہیں، یوں کسی ضعیف القلب یا مغلوب الحال کا حال ہی یہ ہو جائے

تو وہ معذور ہے، مطلوب و مامور وہی اشد حبا للہ والی حب ایمانی ہے، جس کو حب عقلی بھی کہا جاتا ہے، نہ کہ حب طبعی یا نفسانی جس کو عرف عام میں عشق کہا جاتا ہے، کسی نے ان دونوں کے فرق و فضیلت کی بابت سوال کیا تھا کہ

"صراط مستقیم میں مولانا اسماعیل صاحب شہید نے حب ایمانی یا عقلی کو حب نفسانی یا عشق پر بہت ترجیح دی ہے، اور طریق عشق کو ایک حد تک مذموم ثابت کیا ہے، حالانکہ بڑے بڑے صوفیائے کرام مولانا رومی مولانا جامیؒ وغیرہ نے عشق کی مدح سرائی کی ہے، اس باب میں حضرت کی جو تحقیق و رائے ہو، اس سے مفصل مطلع فرمایئے" (التکشف عن مہمات التصوف حصہ سوم از امداد الفتاویٰ ص۱)

اب حضرت کا عالمانہ و محققانہ جواب سنیئے، پہلے چند مقدمات ہیں،

"اول فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک باعتبار ذات شے کے، دوسری باعتبار اس کی حالت خاصہ کے، پہلی کو فضیلت ذاتیہ کہتے ہیں اور دوسری کو اضافیہ کہنا مناسب ہے، دوم کمالات ولایت مستفاد ہوتے ہیں کمالات نبوت سے، اس لئے جو کمال ولایت کا جس قدر کمال نبوت سے مشابہ ہو وہ دوسرے کمال سے جو مشابہت میں کم ہے، افضل ہوگا، سوم عشق ایک خاص درجہ ہے، محبت کا جس میں ہیجان و غلیان (یا جوش و خروش) ہوتا ہے،

"ان مقدمات کے بعد جاننا چاہئے، کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو صفت محبت الٰہی کی ہوتی ہے، اس میں ہیجان نفسانی نہیں ہوتا، اس لئے بالیقین محبت کی یہی نوع فی نفسہ افضل ہوگی، مگر کسی خاص استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے تربیت باطن میں دوسری نوع کا زیادہ نافع و موافق ہو جانا ممکن ہے، جیسے گوشت فی نفسہ افضل الاغذیہ ہے لیکن کسی خاص طبیعت کے لئے اش جو کو اصلح کہا جاتا ہے،

"پس مولانا شہید رحمہ اللہ فضیلتِ ذاتیہ کے مرتبہ مین حُبِ ایمانی کو ترجیح دے رہے ہین، اور بعض آثار مغلوبیت کے اعتبار سے حب نفسانی کو مفر تبلا رہے ہین، اور دوسرے حضرات صوفیہ رحمہم اللہ فضیلتِ اضافیہ کے مرتبہ مین عشق کی مدح کر رہے ہین، کیونکہ ایسے مضامین اکثر اہل حال کے کلام مین وارد ہین، جن کو تحقیقاتِ عامہ مقصود نہین، یا عشق سے مراد ان حضرات کی اصطلاحاً مطلق کمال محبت ہو، جو شامل ہے محبتِ ایمانی کو بھی، اور مقصود مذمت کرنا اُس شخص کی ہو جس مین یہ کمال نہین، جیسے حدیث مین ہے، لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ پس دونون توجیہ پر مولانا اور صوفیہ کے کلام مین تعارض نہین رہا، واللہ اعلم[۱]،

عقلی محبت اختیاری ہے | نیز طبعی اور عقلی یا ایمانی محبت مین ایک اور خاص و عظیم فرق یہ ہو کہ طبعی محبت غیر اختیاری ہوتی ہے، اور اسلام غیر اختیاری چیزون کی تکلیف نہین دیتا، بخلاف عقلی و ایمانی محبت کے کہ وہ ہمارے اختیار کی شے ہے، اس کا بڑا مدار عمل پر ہے، مثلاً جس عمل کو ہم ایک مرتبہ عقلاً پسند کر کے اس کو بار بار کرتے رہین، تو پھر اُس سے محبت و انس قدرةً پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر وہ عمل کسی کے حکم یا اتباع کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے، تو کرتے کرتے اس حاکم یا متبوع سے بھی محبت ہو جانا لازم ہے؛

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اختیاری محبت کا سیدھا نسخہ یہ تجویز فرما دیا ہی کہ جو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا محبوب ہے، زندگی کو اس کے رنگ مین رنگ لو تو آپ آپ اللہ کے سچے اور آپکے محب و عاشق ہی نہین بلکہ محبوب بھی بن جاؤ گے، اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ،

"عمل مین خاصیت ہو محبت پیدا کرنے کی، تجربہ کر لو، روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جائے گی، پہلے تھوڑی ہوگی، پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائے گا، کہ بہت ہی

---

[۱] التکشف عن مہمات التصوف جلد سوم از امداد الفتاوی ص ۱،

زیادہ ہو جائے گی وہ جو کہتے ہین، کہ پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہو، غرض نیک عمل مین یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہوتی ہے،

"یہان ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہین، مگر محبت پیدا نہین ہوئی، جواب یہ ہو کہ نیک عمل کے مفہوم مین ایک ہی چیز تو نہین کہ بس عمل کر لیا، بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے ایک جز، تو عمل کرنا ہے اور دوسرا جز یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے، مثلاً صرف ٹکرین مارنے کو نماز نہین کہتے، نیک عمل کا جو ماموربہ طریق ہے، اس طریق سے کرو پھر دیکھو، محبت کیسے نہین پیدا ہوتی، تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہو کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا، اس نیت سے نہین کیا، کہ اللہ کی محبت بڑھ جائے، ہو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہو؛

"بہر حال ایک جز تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل مین بہ نیت ازدیادِ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو، دوسری بات ضروری یہ ہو کہ اللہ کا نام لو جی لگا کر یعنی تھوڑا اللہ اللہ بھی کر لو مگر دل کو جی لگا کر تا کہ محض صورتِ ذکر نہ ہو تیسری بات یہ ہو اور یہ بہت ضروری ہو کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اس سے لوگ بھاگتے ہین، اول تو اس طرف توجہ ہی نہین، کہ کسی بزرگ کی خدمت مین جا کر رہین، بس تھوڑی سی کتابین پڑھ لین، اور سمجھ لیا کہ ہم کامل و اکمل ہو گئے، بھلا نری کتابون سے بھی کوئی کامل و اکمل ہوا ہے[۱]؛

اسی نسخہ کو بعض اور اجزاء کی اعانت سے آثار المحبت (ص ۱۹) مین یون تجویز فرمایا ہو کہ

"جن چیزون سے کوئی محبوب ہوتا ہو یعنی انعام و نوال حسن و جمال اور فضل و کمال ہر طرح سے عقلاً و نقلاً علیٰ وجہ الکمال اللہ ہی مین ہین، پس وہی مستحق محبت ہین، تدبیر یہ ہے کہ چند باتون کا التزام کر لو، ایک تو تھوڑی دیر خلوت مین اللہ اللہ کر لیا کرو، اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو،

لیکن اس نیت سے کہ خدا تعالیٰ کی محبت ہو، دوسرے کسی وقت تنہائی مین خدا کی نعمتون کو سوچا کرو، پھر اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہین اور اس کے باوجود خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آ رہے ہین، تیسرے محبان خدا سے علاقہ پیدا کرو، آنا جانا دشوار ہو تو خط وکتابت ہی رکھو، چوتھے خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری اطاعت کیا کرو، کیونکہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے، اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے، پانچوین خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ اپنی محبت عطا فرمائین"،

غرض جو عشق ومحبت مامور ومطلوب ہے، وہ طبعی ونفسانی نہین، بلکہ عقلی وایمانی ہو جو بالکل اپنے اختیار مین ہے، اور اس کے حصول کا جو نسخہ تجویز فرمایا گیا ہے اس کے بھی تینون اجزاء بالکل اختیاری ہین، یعنی (۱) اعمال صالحہ بہ نیت محبت (۲) ذکر اللہ مع التحقیق (۳) اہل اللہ سے تعلق یا صحبت، جس کی ضرورت پر اوپر مفصل گفتگو گذر چکی،

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق　　　عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

نیز یہ اعمالِ صالحہ یا اتباعِ سُنت والی عقلی وایمانی محبت کا راستہ وصول الی اللہ کا نہ صرف یقینی واقرب راستہ ہے، بلکہ اسہل بھی اتنا ہے کہ زیادہ مجاہدات وریاضات کی ضرورت نہین ہوتی اور اصطلاح مین اس کو طریق جذب بھی کہتے ہین، کیونکہ اس مین چونکہ سب سے بڑے محب ومحبوب الٰہی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نقل واتباع ہوتی ہے، اس لئے قدرۃً اپنے کامل ترین محب ومحبوب کے متبع یا نقل اُتارنے والے کی خود حق تعالیٰ کی طرف سے کشش یا انجذاب ہوتا ہے، کسی موقع پر فرمایا کہ

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے سلسلہ مین جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہوتا ہے، حالانکہ نہ یہان کچھ زیادہ ریاضات ہین، نہ مجاہدات، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ مین وصول بطریق جذب ہوتا ہے، بطریق سلوک نہین، اور یہ جذب برکت ہے اتباعِ سُنت

کی، کیونکہ اتباعِ سُنت کا ثمرہ بوجہ تشبہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے، اور محبوبیت کو جذب لازم ہے[۵۱]؛

محبوب سے ظاہری شباہت بھی کسی کو ہو تو اس کی طرف کشش قدرتی بات ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ کی جلد اُمید ہے، حضرت خواجہ (عزیز الحسن صاحب) نے خوب فرمایا ہے،

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہون　　　حقیقت اس کو تو کر دے مین صورت لے کے آیا ہون

اللہ تعالیٰ ہم کو اتباعِ سُنت کی توفیق بخشین اور خواجہ صاحب کی اس دعا کو اپنے تمام متبع سُنت بندون کے حق مین قبول فرمائین،!

محبت کا مدار مناسبت پر اسی عشق ومحبت کے سلسلہ مین شریعت وطریقت کے جامع مجدد علیہ الرحمہ نے ایک اور بڑی لطیف بحث فرمائی ہے، جو صوفیہ اور اہلِ محبت سے بھی زیادہ ہمارے خشک علماء کے سُننے اور سمجھنے کی ہے، خلاصہ یہ ہو کہ محبت کا مدار مناسبت پر ہے، اور یہ مناسبت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمام مخلوقات سے زیادہ حاصل ہے، جس کو حضراتِ صوفیہ مظہر اتم ہونے سے تعبیر فرماتے ہین، اور جس پر احقر کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ ہی نے سند خلافت اور نفخت فیہ من روحی سے سرفراز فرما کر قرآنی شہادت کی مہر لگا دی ہے، کیونکہ کسی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو ظاہراً وباطناً مستخلف سے زیادہ سے زیادہ مناسبت ومشابہت ہو، اگر خلافتی تصرفات سے ظاہری مناسبت عیان ہے تو من روحی سے باطنی، اس لئے اگر یہ احسن تقویم کی بلندی سے اسفل سافلین کی پستی مین پھینک دیا جانے کا راستہ خود ہی نہ اختیار کرلے، تو اس کا مطلوب ومحبوب اللہ تعالیٰ کے سوا ہو ہی کون سکتا ہے،

خلق اللہ آدم علی صورتہ کا مطلب اور محبوب کون ہوتا ہے، وہی جس سے مناسبت ہو، تو قلب کو جس سے مناسبت ہوگی وہی محبوب ہوگا، مین نے ایک باپ سے سُنا ہے کہ مجھ کو فلان بڑے بیٹے سے محبت زیادہ ہے،

[۵۱] اشرف السوانح ص ۳۰ حصہ دوم

وجہ یہ ہے کہ وہ میرا ساہے، یعنی مجھے اس سے مناسبت ہے، سو برہان و وجدان سے ثابت ہو چکا ہے کہ قلب کو پوری مناسبت صرف حضرت حق سبحانہ سے ہے، اور اسی مناسبت کی نسبت شہادت دی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہٖ یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔

"یہاں صورت کے معنی شکل کے نہیں، بلکہ وہی مناسبت ہے جس کو صوفیہ نے ایک خاص عنوان سے کہا ہے، جسے علماے خشک قبول نہیں کرتے، کہ انسان مظہر ہے حق تعالیٰ کا، اس لفظ مظہر سے چونکتے ہیں، جو حقیقت میں اس حدیث کی تفسیر کا عنوان ہے، اور بدون اس تفسیر کے سخت اشکال پڑتا ہے، جس سے نکلنے کے لئے بعضوں نے ضمیر کا مرجع آدم کو بنایا ہے، مگر بعض روایات میں بجاے صورتہٖ کے صورۃ الرحمٰن آیا ہے، اس کو کیا کریں گے، اس کے جواب میں یہ کہدیا کہ راوی نے اپنے اجتہاد سے روایت بالمعنی کردی ہے، میں کہتا ہوں کیوں تکلف کرتے ہو جو تفسیر صوفیاے کرام نے کی وہ نہایت بے تکلف و سہل ہے"۔

کیونکہ صورت اصل میں اسی کو کہتے ہیں، جس کے واسطے سے کوئی شے ظاہر ہوتی ہے، اور چونکہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا سب سے بڑا اتم ظہور انسان ہی کی ذات و صفات سے ہوا ہے، اس لئے اس کو تمام دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے گویا اپنی ہی صورت پر پیدا فرمایا ہے،

"یہ دیکھئے کہ صورت کسے کہتے ہیں، اگر کہو کسی چیز کی شکل کو کہتے ہیں، مانا، مگر اس کو کیوں کہتے ہیں، اصل میں صورت کی حقیقت ظہور ہے، چنانچہ یہ بھی محاورہ کہ صورۃ المسئلۃ کذا، یعنی فلاں مسئلہ کی صورت یہ ہے، اور یوں بھی کہتے ہیں، کہ اس کام کے بننے کی کیا صورت ہے، تو یہاں صورت کے معنی ظہور کے ہیں، اور چہرہ کو بھی صورت ظہور ہی کے معنی میں کہتے ہیں، کہ اس سے حقیقت انسانیہ کا ظہور ہوتا ہے،

آگے اس حقیقت باطنہ کو بالکل ظاہر فرمادیا ہے کہ وہی "من روحی" والی روح یا انا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ

"یہ حقیقت وہ ہے جس کو انا سے تعبیر کرتے ہیں، اور وہ روح ہے، اور وہ ایک مخفی چیز ہے، چونکہ روح ایک خفی چیز تھی، جسے کالبد سے ظاہر فرمایا، اس لئے کالبد کو اس کی صورت کہدیا تو اصل معنی صورت کے ظہور کے ہوے،

"اب سمجھئے کہ خلق آدم علی صورتہٖ کے معنی ہیں علیٰ ظہورہٖ یعنی خدا نے آدم کو اپنے ظہور پر پیدا کیا، یعنی آدم کو پیدا کرکے اپنے صفات کو ظاہر کردیا، گو اور مخلوقات سے بھی صفات کا ظہور ہوتا ہے، مگر انسان چونکہ سب سے زیادہ جامع کمالات ہے، اس لئے اس سے زیادہ ظہور ہوتا ہے، اسی واسطے اس کو مظہر اتم کہتے ہیں،

"صوفیہ نے کیا کہا، وہی انھوں نے بھی کہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صرف اصطلاح بدل دی، یہ اُن کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کرلی ہیں، علماے خشک جو اُن کی اصطلاح نہیں سمجھتے، اعتراض کردیتے ہیں، جو واقع میں خود اپنی فہم پر ہوتا ہے، اور محققین کی عادت ہوتی ہے، کہ طالب کے سامنے تو نکات کو ظاہر کردیتے ہیں لیکن معاند کے اعتراض سُن کر بھی خاموش رہتے ہیں، بلکہ اپنے متوسلین کو بھی الجھنے سے منع کرتے ہیں،

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی[1]

حمل امانت کی لطیف توجیہ | غرض تمام مخلوقات میں چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت مشابہت زیادہ حاصل ہے، اس کی بنا پر اس کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عاشق بھی ہونا چاہئے

---

[1] از شریعۃ از ص ۱۴ تا ص ۱۶

ابتداءے طالب علمی میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ انسان کی حقیقت حیوان عاشق ہے، اس کی فصل عاشق ہے کیونکہ ناطق تو جنات و ملائکہ بھی ہیں[1]، بلکہ حضرت تو اس کے قائل ہیں، کہ تمام مخلوقات حیوانات و نباتات حتیٰ کہ جمادات بھی عاقل ہیں، ہاں یہ مسلّم ہے کہ اُن میں اتنی عقل نہیں، جو تکلیف کے لئے کافی ہو[2]، حمل امانت کی بھی ایک دلچسپ توجیہ حضرت نے انسان میں غلبۂ عشق سے فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سے غایت مناسبت کی بنا پر عشق تو تھا ہی، اور معشوق کے حکم و خوشی کے پورا کرنے میں چون وچرا شان عشق نہیں بس اس دیوانگی میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنے کو پیش کر دیا،

"بہر حال انسان کے حمل امانت کا منشا عشق تھا، اور اس کو میں نے حافظ شیرازی کے کلام سے سمجھا ہے، فرماتے ہیں،

آسمان بار امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اس میں لفظ دیوانہ سے منشا حمل امانت پر اشارہ ہے، اور اسی کلام سے معلوم ہو گیا کہ عشق دیوانگی کا نام ہے، جو محبت کے علاوہ درجہ ہے[3]"،

"البتہ حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے، اور اپنے ہم جنس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہوتی ہے، اور سرسری نظر میں محبتِ عقلی محبت طبعی کے سامنے مضمحل معلوم ہوتی ہے، حالانکہ امر بالعکس ہے، چنانچہ اسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جاتا ہے[4]"،

یہ ایک طالب کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا تھا جن کو یہ شبہہ ہو گیا تھا، کہ وہ حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ محبت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کم محسوس کرتے ہیں،

---

۱ وعظ تفصیل والتسہیل ص ۲۶ ۲ ایضاً ص ۲۴ ۳ ایضاً ص ۲۶ ۴ اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۲۰،

حق تعالیٰ میں اسباب محبوبیت بدرجۂ کمال جمع ہیں

پھر کسی سے محبت کے عقلاً جو اسباب ہو سکتے ہیں، وہ بالذات اور بدرجۂ اتم واکمل اللہ تعالیٰ ہی میں موجود ہیں،

"کسی سے جو محبت ہوتی ہے، اس کی وجہ یا کمال ہے، یا جمال یا نوال (یعنی داد و دہش) تو معلوم ہوا کہ محض ذات سے محبت نہیں ہوتی، کسی صفت کی وجہ سے ہوتی ہے، اب دیکھو یہ صفتیں بالذات کس کی ہیں، جس میں یہ اوصاف بدرجۂ اکمل ہوں گے، وہ زیادہ محبوب ہوگا، تو اس میں مسلمان کو تو شبہہ نہیں ہو سکتا، کہ سب سے زیادہ کمال کے ساتھ یہ اوصاف خدا ہی میں پائے جاتے ہیں[1]"

غرض مسلمان یا مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقلی محبت میں اشد ہونا بالکل لازمۂ ایمان ہے یہی نہیں بلکہ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اس کو جس شے سے محبت ہوتی ہے، وہ دراصل محبتِ حق ہی کا ظل و پرتو ہوتی ہے، کیونکہ جہان کہیں جو بھی جمال و کمال پایا جاتا ہے، وہ کمال حق ہی کا پرتو ہے،

"ہر کمال کمالِ خداوندی ہی کا ظل ہے تو ہر شخص اگرچہ وہ کسی کا عاشق ہو، واقع میں وہ کمالِ خداوندی کا عاشق ہے، اور اس کی ایسی مثال ہے، جیسے ایک شخص نے دیوار پر دھوپ دیکھی، اور اس کی وجہ سے وہ دیوار کا عاشق ہو گیا، حالانکہ یہ واقع میں دیوار کا نہیں آفتاب کا عاشق ہے، کیونکہ دیوار کا عشق ایک کمال کی وجہ سے پیدا ہوا، یعنی نور جو واقع میں آفتاب کا کمال ہے نہ کہ دیوار کا، یہی وجہ ہے کہ جب آفتاب چھپ جاتا ہے، اور وہ نور زائل ہو جاتا ہے تو عشق بھی زائل ہو جاتا ہے[2]،

عشق با مردہ نباشد پایدار — عشق را با حی و با قیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

عقلی محبت کا لازمہ

لیکن سب سے زیادہ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس عقلی عشق و محبت کا لازمہ یہ ہونا چاہئے، کہ اس دنیا میں بھی محبت کے ذمہ محبوب کے جو حقوق ہوتے ہیں

کا تعلق ہم کو حق تعالیٰ سے رکھنا چاہیے،

دیکھئے کہ عاشق کو معشوق سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے، اور اس کے دل میں معشوق کی کتنی عظمت و وقعت ہوتی ہے، کیا اگر معشوق یہ حکم دے کہ تم میرے پاس آؤ یا گرمی کے وقت چلچلاتے ہوئی دوپہر میں چار کوس تک برہنہ پا چلے آؤ، تو کیا عاشق انکار کرے گا، یا اس سے اس حکم کے مصالح پوچھے گا، اگر اس کو سچا عشق ہے، تو بلانے سے دوڑا ہوا آئے گا، اگر کوئی روکنا بھی چاہے تو ہرگز نہ رکے گا، غرض کسی قسم کے امر و نہی میں اس کو ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا، لوگ اس کی حرکات پر اس کو دیوانہ بتلائیں گے، پاگل کہیں گے، مگر اس کو اس سے ذرا عار نہ ہوگا اور کہے گا۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم — مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

سب جانتے ہیں، کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے، تو اس کی یاد کسی وقت دل سے نہیں اترتی، اور دوسرے اس کے ہر حکم کو گوشِ قبول سے سنتا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوتا، کہ عاشق سے محبوب کے کسی حکم میں بھول چوک یا نافرمانی کا ظہور ہو، کیونکہ بھول ہمیشہ اس کام میں ہوا کرتی ہے، جس کی جانب پوری توجہ نہ ہو، اور جو چیز ہر وقت قلب پر مستولی ہو، اس میں بھول کا ہونا عادۃً ممکن نہیں"،

بس حضراتِ صوفیہ کے ہاں جس عشق پر اتنا زور ہے، کہ ان کا سارا دین و مذہب ہی عشق معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدید و اصلاح کے مطابق طبعی و نفسانی جوش و خروش کا نہیں بلکہ ایمانی و عقلی محبت کے اسی استیلائی درجہ کا نام ہے جس میں محبوب کی طرف توجہ اور اس کی یاد و اطاعت کے سوا دل و دماغ میں ماسوا کی قطعاً گنجایش ہی نہیں رہتی، اسی کو سرآمد صوفیہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں، کہ

عشق آن شعلہ است چون بر فروخت — ہر کہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عشق و تفویض اس ایمانی عشق کا منصوص و معروف نام تفویض ہے، ارخاء الحق نام وعظ میں ارشاد ہو:

"عشق کی حقیقت تفویض ہے کہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے، جس طرح چاہیں ہم میں تصرف کریں تشریعاً بھی تکویناً بھی اور ہم ہر حال میں راضی رہیں، یہی حقیقت ہے تفویض کی" (اشرف المسائل ص ۹۴) ایک عجیب نکتہ کسی ملفوظ میں یہ بیان فرمایا کہ "شیطان جو مردود ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سالک محض تھا، جذب و محبت کا مادہ بالکل نہ تھا، ورنہ اس بے ادبی سے اعتراض نہ کرتا، اس لئے سالک محض (خشک اہلِ عمل) کی حالت خطرہ سے خالی نہیں، چاہیے کہ جذب کا مادہ بھی پیدا کریں جس کا طریقہ کثرتِ ذکر اور صحبتِ اہلِ محبت ہے"،

(اشرف المسائل ص ۱۱)

اور یہ ایمانی عشق لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ غیر اللہ سے جتنے تعلقات ہیں وہ ان کے الٰہ و معبود یا نافع و ضار ہونے ہی کی غلطی و غلط فہمی ہی سے ہیں، جس کی خود قرآن مجید نے شدت سے نفی فرمائی ہے، افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم خود مولانا اسی شعر کے بعد فرماتے ہیں، کہ

تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

دنیوی عشق یا استیلائی محبت کا لازمہ بھی یہی سمجھا جاتا ہے، کہ غیر پر نظر نہ پڑے مولانا نے مثنوی میں ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ

"ایک شخص ایک عورت کے پیچھے چلا، اس نے پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیوں آتا ہے، کہنے لگا میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں اس نے کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آ رہی ہے وہ

بھی سے زیادہ خوبصورت ہے، ہوسناک تو تھا ہی فوراً پیچھے لوٹا، جب لوٹنے لگا تو اس عورت نے ایک دھول رسید کیا، اور

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی — در بیان و دعوے خود صادقی

پس چرا بر غیر افگندی نظر — نیست این دعوے عشق اے بے ہنر

کہ ہم دود اگر تو عاشق تھا تو غیر پر کیوں نگاہ کی، یہ کیسی محبت کہ دعویٰ خدا کی محبت کا اور دوسروں سے تعلق،

عشق مجازی کی حقیقت

اس حکایت کے سلسلہ میں عشق مجازی کی حقیقت ذرا کان کھول کر سن لینی چاہئے، کیونکہ تصوف کو بدنام کرنے والے بہت سے جاہل ہوسناکوں نے اس کو اپنی ہوس رانی کا پردہ بنانا چاہا ہے، حدیث میں ہے کہ

من عشق فعف وکتم فمات مات شهيداً — یعنی جو شخص کسی پر (بلا اختیار) عاشق ہو جائے پھر عفیف رہے، اور پوشیدہ رکھے پھر مر جائے تو وہ شہید مرے گا،

اس حدیث میں دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ عشق غیر اختیاری مطلق مذموم نہیں، (جیسا کہ بعض خشک مزاج اس کو عیوب میں شمار کرتے اور عاشق کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں) اور مذموم کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ شہادت تک پہنچاتا ہے، اور اسی وجہ سے بعض اہل طریق اس کی مدح کرتے، اور وصول الی المقصود کے اسباب میں گنتے ہیں، عارف جامی فرماتے ہیں

متاب از عشق او گرچہ مجازی است — کہ آن بہر حقیقت کارسازی ست

اور عارف رومی فرماتے ہیں:-

عاشقی گرزین سر و گر زان سرست — عاقبت مارا بدان شہ رہبرست

"دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس عشق کے محمود و موصل الی المقصود ہونے کی شرط ہے، کہ معشوق مجازی کی طرف قطعاً التفات نہ ہو، نہ اس کی طرف نظر کرے، نہ اس کا کلام سنے حتی کہ اس کی طرف قلب سے بھی توجہ نہ کرے، (یعنی دل میں بھی تصور نہ لائے) اور یہی مراد ہے جامی کے قول سے جو شعر بالا سے متصل ہی ہے،

ولے باید کہ بر صورت نمانی — وزین پل زود خود را بگذرانی

اسی طرح عارف رومی کا قول شعر بالا کے تھوڑی دور بعد ہے،

عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

اور راز اس میں یہ ہے کہ مقصود حقیقی تک پہنچنے کی بڑی شرط ما سوا سے قطع تعلق کرنا ہے، اور عشق بجز محبوب کے سب سے تعلقات کو قوت کے ساتھ قطع کر دیتا ہے، جیسا کہ عارف رومی فرماتے ہیں،

عشق آن شعلہ ست چون بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

تو محبوب مجازی کا ما سوا تو اس عشق مجازی سے فنا ہو گیا، پھر جب اپنے نفس کو اس محبوب مجازی سے بالکل الگ کر کے مراقبات و اذکار سے ہمہ تن محبوب حقیقی کی طرف توجہ کر کے اس کے قریب کر دیا، پس سب تعلقات رخصت ہو گئے اور صرف واحد محبوب حقیقی باقی رہ گیا جیسا کہ شعر بالا کے بعد ہی مولانا رومی فرماتے ہیں:-

تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ سوخت — مرحبا اے عشق شرکت سوز سوخت

عشق مجازی کو حقیقی میں مبدل کرنے یا اس کو عشق حقیقی کا ذریعہ بنانے کے لئے جو شرائط ہیں، ان کی تفصیل التکشف میں فرمائی ہے، کہ اگر اتفاقاً و بلا قصد عشق مجازی میں مبتلا ہو جائے،

"جیسے گھر مین جھاڑو دے کر سب خس و خاشاک ایک جگہ جمع کر لیتے ہین پھر کسی ٹوکرے مین اٹھا کر باہر ایک دم پھینک دیتے ہین اگر ایک ایک تنکا اٹھا اٹھا کر پھینکا جائے طویل مدت صرف ہو، پھر بھی اس قدر صفائی نہ ہو، غرض مقصود اصل ترک تعلقات یا قلب مین رقت و سوز و گداز پیدا کرنا ہے، جو اگر اور طریقہ سے حاصل ہو جائے، تو بھی کافی ہے،

اور آج کل خصوصًا اور طریقے ہی مناسب ہین،

"چونکہ اس زمانہ مین اس طریق کے اندر خطرہ شدید ہے، کیونکہ نفوس میں شہوت پرستی و لذت جوئی زیادہ ہے، اس لئے قصدًا ایسے طریق کا بتلانا جائز نہین، ہان اگر اتفاقًا مبتلا ہو جائے تو بطریق مذکورہ اس کا امالہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہئے، (تکشف جلد سوم ص ۲۹۵)

لیکن یہ پھر ایک مرتبہ سُن لینا اور خوب باور رکھنا چاہئے کہ اس استیلائی محبت یا جملہ سوز اور شرکت سوز عشق کی گرمی ہے،

"حاصل اس طرح ہوتی ہے کہ کسی گرمی والے کے پاس رہے، اور اس کی ہدایت کے بموجب عمل کرے، اور یہی وہ چیز ہے، جو سینہ بسینہ چلی آتی ہے، نہ مولوی بن کر حاصل ہوتی ہے، نہ مورخ اور یہ کوئی عجیب بات نہین، اس کے سوا بھی اکثر ایسے کام ہین، جو سینہ بسینہ چلے آتے ہین، اگر کوئی ساری خوانِ نعمت حفظ کر لے، مگر جب تک کسی کامل استاد کے پاس نہ رہے، باورچی گری نہین آسکتی، اسی طرح اگر کوئی کتاب دیکھ کر کرتے، اچکن وغیرہ کی کاٹ از بر کر لے، تو اس کو درزی کا کام نہین آسکتا، تصوف کے سینہ بسینہ ہونے کے یہی معنی ہین نہ یہ کہ مسئلے سینہ بسینہ ہین، کیونکہ مسائل تو تمام کتابون مین موجود ہین، بلکہ وہی ایک نسبت ہے، جس کو گرمی سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے،[له] (باقی)

له الرفیق صفحہ ۱۵،

"تو اول عفت و پارسائی اختیار کرے، کوئی امر خلاف شرع نہ کرے، نہ قصدًا اسکو دیکھے، نہ اس سے باتین کرے، نہ اس کی باتین کرے، نہ دل مین قصدًا اس کا خیال کرے، کیونکہ مخالفتِ شرع عشقِ حقیقی کے منافی ہے، اور منافی کے ہوتے کب اُمید ہے کہ عشقِ حقیقی حاصل ہو (۲) دوسرے اس سے ایسی دوری اختیار کرے، کہ اتفاقًا بھی اس پر نظر نہ پڑے، نہ آواز کان مین پہونچے، تاکہ قلب مین سوز و گداز پیدا ہو، (۳) تیسرے خلوت و جلوت مین یہ سوچا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہان سے آیا، اور کس نے عطا کیا، جب موصوف مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوفِ حقیقی کی کیا شان ہو گی،

چہ باشد آن نگار بخود   کہ بہ بندد این نگارہا،

"اس سے اس کا عشق مجازی مخلوق سے خالق کی طرف مائل ہو جائے گا، یہی معنی ہین اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ (یعنی اس کو فنا) نہین کرتا، بلکہ امالہ (یعنی معشوق حقیقی کی طرف مائل) کر دیتا ہے، جس طرح انجن گرم ہو مگر اُلٹا جلتا ہو، تو قطع مسافت کرنے والے کو مناسب نہین کہ اس کو بجھا دے، بلکہ اس کی کل پھیر کر سیدھا چلا دے،

اور بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصدًا عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے اس سے حلال عشق مراد ہے، (مثلًا بی بی سے) نہ کہ حرام، کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو ہی نہین سکتی، اور جو اس مشورہ سے غرض ہے، وہ عشق حلال سے بھی حاصل ہے، کیونکہ عشق مین گو وہ مجازی ہو، یہ خاصیت ضرور ہے، کہ اس سے قلب مین سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے، دوسرون کے تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہین، اور خیال مین یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے، اب صرف ایک کام باقی رہ جاتا ہو کہ اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر دیا جائے تو بہت آسانی سے قلب خالی ہو جاتا ہے،

اسلامی حکمرانون سے مسلمانون کی

ایک بے جا شکایت

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی،

(۵)

خلاصہ یہ کہ اسلامی حکمرانون اور سلاطین کا عام حال بھی یہی ہے، کہ جس حد تک اسلام اور اس دین کے اصول و ضوابط سے ان کی زندگیان قریب رہی ہین، اسلامی قلمرو کے غیر مسلم طبقات کو بھی اُن ہی کے زمانہ مین امن و امان، عاقبت و راحت کی زندگی میسر آتی رہی ہے، اور ان ہی دیندار سلاطین اور اُن کے دیندار حکام و ولاۃ کے عہد مین اسلام کی اشاعت کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے،

اور مسلمانون کی حکومت کے غیر مسلم باشندون کو کسی قسم کی تکلیف اگر اٹھانی پڑی، یا اُن کے انسانی حقوق مین دست اندازی کے واقعات پیش بھی آئے ہین، تو مین بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہون کہ یہ جو کچھ ہوا ہے، بے دین، اور ان ہی حکمرانون کے زمانہ مین ہوا ہے، اور اُن ہی کے زمانہ مین ہو بھی سکتا تھا جن کے دلون مین اسلامی قوانین کا وزن جیسا کہ چاہئے باقی نہ رہا تھا، گویا کہنا چاہئے کہ اسلام نہین بلکہ ترکِ اسلام کے یہ لازمی نتائج تھے، اور یہی بات وہی ہے، جس کا اعتراف بہت سے انصاف پسند مغربی سیاحون اور مصنفین نے بھی کیا ہے، کہ ان سختیون کے نقصون مین مسلم و غیر مسلم کی خصوصیت نہ تھی عام طور پر اس قسم کے بادشاہون کے عہد مین مسلمانون پر بھی وہی سب کچھ گذر رہا تھا جس سے ملک کے دوسرے

طبقات متاثر تھے، اور اسلام کی تاریخ اس کی شہادت ادا کرتی ہے، کہ اسی قوم کے کوتاہ نصیب اور بدبخت بادشاہون کا زمانہ ایسا زمانہ ہمیشہ رہا ہے، جس مین اسلام کی روشنی دنیا کی دوسری قومون تک پہنچ نہ سکی،

اور یہ کیفیت کچھ بادشاہون اور سلاطین ہی کی حد تک محدود نہین ہے، بلکہ عام مسلمانون کی حالت بھی اس مسئلہ مین یہی نظر آتی ہے،

میرا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانون کی زندگی جس زمانہ مین جہان کہین دین اور مذہب سے آراستہ و پیراستہ رہی ہے، تو مسلمانون کے ساتھ اُن کے پڑوس مین رہنے والی غیر مسلم قومون کو بھی ہمیشہ آرام ہی پہنچا ہے، سخت اور کڑی گھڑیون مین مدد ملتی رہی ہے، اور اسی کے ساتھ اسلام کو بھی موقع دوسرون کے قلوب مین اُترنے کا اسی قسم کے مسلمانون کے ذریعہ ملتا رہا ہے، لیکن برعکس اس کے عام مسلمانون نے جب کبھی اور جہان کہین دین سے لاپروائی اختیار کی، اور محض ایک خاص قسم کے نام رکھنے والی یا چند رسوم یا شعار سے تعلق رکھنے والی قوم کی حیثیت سے دوسری قومون کے درمیان مسلمان بن کر رہ گئے ہین تو کسی ایک جگہ یا کسی خاص زمانہ ہی مین نہین، بلکہ ہر جگہ اور ہر زمانہ مین اس قسم کے مسلمانون سے مسلمانون کو بھی، اور مسلمانون کے ساتھ دوسری غیر مسلم قومون کو بھی شکایتین پیدا ہوئی ہین، باہم خود بھی دست و گریبان رہے، اور دوسری قومون کی نفرت و عداوت بھی اُن سے بڑھتی چلی گئی، تا اینکہ بالآخر اُسی نے جنگ و قتال کے حدود تک نفرت و عداوت کو پہنچا دیا، غیر قومون کی مسلمانون کے ساتھ اسی نفرت و عداوت کا نتیجہ یہ ہوتا رہا ہے، کہ خود اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی کتاب (القرآن) اُس کی تعلیمات سے لوگ بجائے قریب ہونے کے دور، بہت دور بلکہ کہا جا سکتا ہے، کہ بسا اوقات دشمن بن گئے ان نام نہاد مسلمانون کی بے دینی کی زندگی کو دیکھ کر قومون نے یہ سمجھ لیا کہ یہی مسلمانون کی دینی زندگی ہے، نہ جاننے والے اُن کے پیغمبر اور اُن کی آسمانی کتاب پر اُن کی اس زندگی کی ذمہ داری لوگ عائد کرنے

لگتے ہین، مگر سچی بات یہی ہے کہ اسلام کی اشاعت و توسیع مین بے دین بادشاہون کے طرز عمل سے زیادہ بہت زیادہ دخل ان ہی عام مسلمانون کی غیر اسلامی زندگی کو ہے، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ سلف کے سلاطین کی شکایت عموماً اسی قسم کے مسلمان کرتے ہین، جن کے قلوب مین خود اسلام کا اثر جیسا کہ چاہئے باقی نہین رہا ہے، مسلمانون کا یہ طبقہ سمجھتا ہے، کہ موقع جب مل گیا تھا تو خواہ دین کا مطالبہ کچھ بھی ہوتا، ہمارے بادشاہون کو اس سنہرے موقع سے نفع اٹھاتے ہوئے اپنی قلمرو کے غیر مسلم باشندون کا یا صفایا کر دینا چاہئے تھا، یا ڈرا دھمکا کر مجبور کر کے چاہئیے تھا کہ اُن کو مسلمانون کی جماعت مین شریک کر لیتے، مگر میری سمجھ مین نہین آتا، کہ اسلام اور اسلامی قوانین وضوابط کی جن لوگون کی نگاہون مین کوئی قیمت ہی نہین ہے، اُن کے دل مین اسلام کا یہ درد آخر کس بنیاد پر اٹھ اٹھ کر اُن کو بے چین کئے رہتا ہے جب اسلام ہی کچھ نہین ہے، تو مسلمانون کے باقی رہنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ اسلام تو نام ہی ایک خاص قسم کی زندگی کا ہے، جس کی بنیاد صرف چند غیر فانی صداقتون کے یقین پر قائم ہے، اس یقین کی چول ہی جس کے اندر ڈھیلی ہو چکی ہے، اس کو مسلمانون کی کیا پروا؟ وہ اُن کے فنا و بقا کے مسئلہ کو آخر کیون سوچتا ہے،[1]

ممکن ہے کہ میری یہ حق گوئی بعضون کے لئے تلخ ثابت ہو لیکن ہر مسلمان کو اپنے گریبان مین منھ ڈال کر دیکھنا چاہئے، ضمیر اس کا اگر بالکل مردہ اور بے جان ہو کر نہین رہ گیا ہے، تو یقیناً یہی تلخ نوائی خود اپنے قلب سے بھی وہ پائے گا،

---

[1] بجز اس ایک توجیہ کے جس کا ذکر مخدوم و محترم مولانا عبد الباری الندوی سابق استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ نیز سے کیا کرتے تھے، کہ مین کشمیر مین تھا، مشہور منکر خدا مسٹر ظریف بھی کشمیر آئے ہوئے تھے کانپور کی مسجد کا قضہ اسی عرصہ مین چھڑا، مسلمان شہید ہوئے مسٹر ظریف کو اس واقعہ سے مین نے متاثر پایا، پوچھا کہ جب خدا ہی کے آپ منکر ہین، تو مسلمانون سے ہمدردی کے کیا معنی؟ مسٹر ظریف جھنجھلا کر بولے کہ واہ کیا میری قومیت بھی مسلمانون کی نہین ہے؟

بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ	بلکہ آدمی اپنے جی کے حال سے خوب واقف
ولو القیٰ معاذیرہ،	ہے، خواہ اس پر عذر کے پردے ہی کیون
(القیامہ)	نہ ڈالتا جائے،

دور کیون جائیے یہی ترک ہین، اُن کے سلاطین کو چھوڑئیے، عام ترکون کا ایک زمانہ مین یہ حال تھا، پادری شیفلر جو ترکی علاقے کے عیسائیون کے متعلق یہ خبرین سُن سُن کر کہ بہ تعداد کثیر وہ اسلامی دائرے مین مسلسل داخل ہوتے چلے جا رہے ہین، ترکی علاقے مین پہنچا، گھومتے پھرتے اور عیسائیون کے مسلمان ہونے کے اسباب کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد وہ جس نتیجہ تک پہنچا تھا، اسی کے الفاظ مین سنیئے، شیفلر نے لکھا تھا،

"جب تم ترکون سے اُن کی روزمرہ زندگی مین ملوگے، اور دیکھو گے کہ وہ خدا کی عبادت کرتے ہین، غریبون کو خیرات دیتے ہین، مسیح علیہ السلام کی نسبت اعلیٰ درجہ کے خیالات ان مین موجود ہین، اور انجیل کا حد سے زیادہ ادب کرتے ہین، اور ایسی نیک باتین اُن سے معلوم ہوتی رہتی ہین،

یہ لکھنے کے بعد وہی آگے رقمطراز ہے،

"تو ان باتون کو دیکھ کر تم کو خیال پیدا ہوگا، کہ ترک اچھے لوگ ہین، اور غالباً نجات کے مستحق ہین، پھر یہ سوچو گے کہ تم بھی ترک ہو جاؤ، تو تم کو بھی نجات مل جائے گی"

اُس نے لکھا ہے کہ یہی نازک نقطہ ہے، جہان ہر عیسائی روح پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے

"مقدس ثالوث، خدا کا مصلوب فرزند اور مذہب کے اور راز جو سوائے نورانی عقلون کے کوئی نہین جانتا، ہمارے دل سے محو ہو جائین گے، اور مسیحی دین بغیر معلوم ہوئے ہمارے دل سے خارج ہو جائے گا، اور تم سمجھو گے کہ عیسائی ہونا اور مسلمان ہونا تو ایک ہی ہی

بات ہے' (شیفلر فقرہ ۵۰ بحوالہ آرنلڈ ص ۱۸۴)

قدیم ترک مسلمانون کی زندگی کے متعلق اپنے تاثرات کو نقل کرتے ہوئے ایک دوسرا عیسائی سیاح مصنف لکھتا ہے، کہ

"مسلمان عبادت اور پرہیزگاری اور خیرات دینے کے کیسے پابند ہین، جس وقت وہ مسجدون مین ہوتے ہین، تو کس محویت سے خدا کی بندگی مین مصروف ہوتے ہین، پاکیزگی اور تقدس اُن مین کس درجہ ہوتا ہے، اپنے علمائے دین کے کیسے مطیع ہوتے ہین، سلطان بھی سوائے اس کے کچھ نہین کر سکتا کہ مفتی سے فتوی لے لے[۱] پنج وقتہ نماز کے خواہ کہین اور کسی کام مین ہون، مسلمان کیسے پابند ہین، کس طرح صبح سے رات تک روزے مہینہ بھر تک رکھتے ہین، ان مین آپس مین کس قدر محبت اور سلوک ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کیسا مخیر ہے، اُن کے[۲] شفاخانون سے جو غریبون اور مسکینون کے لئے انھون نے بنائے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ غیرون کے ساتھ بھی ان کو کس قدر ہمدردی ہے،

---

[۱] مگر جو نہین جانتے ہین انھون نے مشہور کر رکھا ہے کہ گذشتہ اسلامی سلاطین کی حکومت کا قانون اسلامی قانون نہ تھا، یہ عجیب و غریب مغالطہ ہے جس مین اچھے پڑھے لکھے لوگ اس وقت تک مبتلا ہین، واقعہ یہ ہے کہ جب تک اسلامی حکومتین مغربی دول کے سیاسی اثر سے آزاد تھین، عموماً اسلامی فقہ سارے اسلامی ممالک کا قانون تھا، مشرقی حکومتون مین زیادہ حُسنِ قبول اسلامی قوانین کی اس تشریح نے حاصل کیا، جو امام ابو حنیفہ اور اُن کے مکتب خیال کی طرف منسوب ہے، اور مغرب، اندلس و افریقہ وغیرہ مین امام مالک کی فقہ عموماً مروج تھی، انشاء اللہ اسکی پوری تفصیل کتاب تدوین فقہ مین کیجائے گی، اگر اسکی تکمیل کا موقع ملا، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی کے نام سے خاکسار نے جو کتاب لکھی ہے، ابتدائی حالات اس مین بھی مل سکتے ہین، مجلہ عثمانیہ مین ایک مقالہ بھی میرا شائع ہوا ہے، یہی ایک فقرہ کہ سلطان بھی اس کے سوا کچھ نہین کر سکتا کہ مفتی سے فتوی لے لے، لوگون کی آنکھون کے کھولنے کے لئے کافی ہے، کہ یہی حال سارے اسلامی سلاطین کا تھا،

[۲] یہ اور اسی قسم کی دوسری تصریحات سے مین اس نتیجہ تک پہنچا ہون کہ ہسپتالون کا موجودہ مغربی نظام

یہی مصنف آگے لکھتا ہے،

"اگر ان کے (مسلمانون) کے انصاف اور اُن کی پرہیزگاری اور نیکیون کا ہم خیال کرین تو ہم کو اپنے اوپر شرم آتی ہے، کہ خدا کی بندگی اور آپس کے سلوک مین ہم کیسے شکستہ قدم ہین

آخر مین مصنف کا قلم قابو سے نکل گیا ہے لکھتا ہے:-

"ہم کو (یعنی یورپ و ایشیا کے عیسائیون کو) اپنی بے انصافیون پر اپنے ظالم ہونے اور پرہیزگار نہ ہونے پر شرم آنی چاہئے، بیشک انصاف کے دن مسلمانون کا پلہ ہم سے بھاری رہے گا، بیشک ان کا ایمان، ان کی نیکیان اُن کی رحم دلی، وہ چیزین ہین جن سے اسلام کو فروغ ہوا، (آرنلڈ ص ۱۸۹)

اسی سلسلے مین شہنشاہ لیوپولڈ کے ایک ترکی سفیر کی یادداشت یا اس رپورٹ سے جو قسطنطنیہ پہونچنے اور کچھ دن رہنے کے بعد اسی سفیر نے اپنی حکومت کو بھیجی تھی، آرنلڈ نے ان ہی نیک نہاد ایمانی ترکون کے متعلق یہ الفاظ نقل کئے ہین،

"ترک اپنے مذہب کے نہایت پابند ہین، اور اُن کی یہ بات عیسائیون سے کہین بڑھکر ہے، کہ نماز کے وقت کسی ترک کا دھیان دوسری چیز کی طرف نہین بٹتا، کوئی مسلمان ایسا نظر نہ آئے گا، جو عبادت کے وقت، ہمہ تن مصروف نہ ہو، اور ادب و تعظیم کی وہ کل علامتین اس کی صورت سے ظاہر نہ ہوتی ہون، جن علامتون کا اپنے خالق کے لئے ظاہر کرنا اسکی مخلوق کا فرض ہے، (بحوالہ لزلی ص ۱۸۰ و ۱۸۲)

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۲) مسلمانون سے یورپ نے سیکھا ہے، ہم نے چھوڑ دیا اور انھون نے اس نظام کو ترقی دی، آخر اگر یورپ مین شفاخانون کا نظام پہلے سے موجود ہوتا، تو مسلمانون کے شفاخانون کا ذکر کرکے اپنی قوم کو یہ مصنف عبرت کیون دلاتا،

یہی نہین، بلکہ مغربی ممالک کی ان ہی سفارتون کے متعلق یہ عجیب و غریب رپورٹ خود یورپ کے مصنفین کی کتابون مین پائی جاتی ہے کہ

"قسطنطنیہ مین عیسائی سفیرون کو ہر وقت اس کا اندیشہ رہتا تھا، کہ اُن کے وطن کا کوئی عیسائی جو نوکری کر کے ان کے ساتھ آیا ہے کہین وہ مسلمان نہ ہو جائے"، (آرنلڈ ص ۱۹۴)

حاشیہ مین آرنلڈ ہی نے گمکن کے حوالہ سے یہ فقرہ نقل کیا ہے،

"عیسائی سفیرون کو کسی دن اس بات کا یقین نہین ہوتا تھا، کہ ان کے ملازم ان کو چھوڑ کر نہ چلدین گے، اور جب تک شام نہ ہوئی وہ یہ نہین کہتے تھے، کہ دن خیریت سے گذرا (گمکن ص ۲۲)

اور قسطنطنیہ یا ترکی کے متعلق تو ممکن ہے کہ اسلامی حکومت کی شان و شوکت ترکون کے غیر معمولی فتوحات وغیرہ کا بھی اضافہ عام مسلمانون کی دینی زندگی کے ساتھ کر دیا جائے، لیکن ایسے ممالک جہان مسلمان فاتح ہونے کی حیثیت سے داخل نہین ہوئے تھے، وہان مسلمانون کی عام دینی زندگی جن نتائج کو پیدا کرتی رہی ہے، چند نمونے اُن کے بھی دیکھ لیجئے، مثلاً چین ہی کے مسلمانون کو لیجئے، یورپ کے پادریون کو جب خبر ملی کہ مشرق کے اس دور دراز گوشے مین بھی اسلام آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے، تو کچھ لوگ وہان بھی اس کے ٹوہ مین پہونچے، بڑی بڑی کتابین چین مین اشاعت اسلام کے خطرے پر لکھی گئین، ان رپورٹون سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہین، آرنلڈ نے اینڈرسن کے حوالے سے ایک جگہ نقل کیا ہے،

"اسلام کو خاص چین مین بہت استحکام ہو گیا ہے، اس کا باعث یہ ہو کہ جب کسی ضلع کی آبادی وبا یا قحط کی بلاؤن سے جن کا گذر اکثر اس ملک مین رہتا ہے، غارت ہو جاتی ہے، تو مسلمان بہت خوشی سے اور مستعدی سے ان برباد مقامون کو آباد کر دیتے ہین، قحط کے

زمانہ مین مفلسون سے اُن کے بچے خرید لیتے ہین، اور اُن کو مسلمان کر کے پرورش کرتے ہین، جب وہ جوان ہو جاتے ہین، تو ان کا نکاح کر کے ان کو سکونت کے لیے علحدہ مکان دیے جاتے ہین، اس طریقہ سے گاؤن کے گاؤن نو مسلمون سے آباد کر دیئے جاتے ہین"[۱]

ایک دوسرا مصنف ڈبلو جے ہمتھ چین مین اسلام کی اشاعت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتا ہو کہ

"مسلمانون مین پابندی مذہب کے لئے ہر طرح کوشش کی جاتی ہے یہان تک کہ غریب سے غریب آدمی کو بھی ابتدائی کتابون کی مدد سے اسلام کے ضروری احکام اور ارکان سکھائے جاتے ہین (ڈبلو جی ہمتھ ص ۱۷۵، از آرنلڈ)

الغرض ایک طرف مصیبت زدون کی دستگیری، کڑے وقتون مین مشکلات سے مقابلہ کی جینی مسلمانون مین جو صلاحیت پائی جاتی تھی، اور اسی کے ساتھ غریب بھائی بندون کی دل کھول کر امداد، اُن کی مذہبی تعلیم کی طرف اُن کی غیر معمولی توجہ ان عیسائی سیاحون کو اسلام کی اشاعت کی ایک وجہ اگر نظر آئی، تو دوسری طرف جینی مسلمانون نے ہمیشہ حکومت کے امن پسند شہری اپنے آپ کو ثابت کرنے کی عموماً ہر زمانہ مین جو کوشش کی ہے، اس کا ذکر بھی مختلف طریقون سے ان ہی لوگون نے کیا ہے اسی سلسلہ مین ایک شاہی فرمان کی نقل بھی چین کے شاہی دفتر سے اُن لوگون کو ملی تھی، ہوا یہ تھا کہ بعض تنگ نظر حکام نے بادشاہ وقت سے جینی مسلمانون کی شکایت کی، اسی شکایت کے بعد ۱۷۳۱ء مین چین کے خاقان نے یہ فرمان شائع کیا تھا،

---

[۱] اسباب کچھ بھی ہون لیکن ہندوستان خصوصاً مشرقی پنجاب سے مسلمانون کا جو سیلاب بے خانمان ہو کر مغربی پنجاب پہنچا لوگون کو حیرت ہو کہ اتنے بڑے طوفان کو مسلمانون نے کیسے سنبھال لیا، لیکن مسلمانون مین موروثی طور پر مواسات و ہمدردی کے عناصر جو پائے جاتے ہین اُن کا مقابلہ اُن لوگون کے جذبات سے کرنا صحیح نہ ہوگا جن مین باہم ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو نجس اور ناپاک سمجھتا ہے،

"ہماری سلطنت کے ہر صوبہ مین صدہا سال سے مسلمان موجود ہین، جو ہماری رعایا کا ایک حصہ ہین، اور جس طرح اور ہماری رعایا مثل ہماری اولاد کے ہے، اسی طرح یہ مسلمان بھی ہماری اولاد ہین، ہم مسلمانون مین اور ان لوگون مین جو مسلمان نہین ہین کوئی فرق نہین سمجھتا،"

پھر جس حاکم نے مسلمانون کی شکایت کی تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے بادشاہ نے لکھا تھا کہ

"بعض حاکمون نے مسلمانون کی خفیہ شکایتین ہم سے کی ہین، جن کی بنا صرف یہ ہے، کہ مسلمانون کا مذہب چینیون کے مذہب سے مختلف ہے، مسلمان وہ زبان نہین بولتے، جو اور چینی بولتے ہین، اور لباس بھی اور چینیون سے مختلف وضع کا ہے"

آگے اسی کے بعد ہے:۔

"مسلمانون پر نافرمانی، گستاخی، اور باغیانہ خیالات رکھنے کا الزام لگایا گیا ہے، اور ہم سے درخواست کی گئی ہے کہ مسلمانون کے خلاف سخت طریقے اختیار کئے جائین"

بادشاہ نے ان الفاظ کے بعد لکھا تھا کہ

"لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد ہم کو معلوم ہوا کہ ان شکایتون اور الزامون کی کوئی بنیاد نہین ہے،"

پھر مسلمانون کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے اسی فرمان مین لکھا گیا تھا کہ

"مسلمان جس مذہب کے پابند ہین، وہ فی الحقیقت اُن کے بزرگون کا مذہب ہے، پھر یہ سچ ہے کہ اُن کی زبان وہ نہین ہے جو اور چینیون کی زبان ہے، لیکن چین کے ملک مین بہت سی مختلف قومون کی زبانین بولی جاتی ہین،"

زبان کے اختلاف کا یہ واقعی منصفانہ جواب دیتے ہوئے بادشاہ نے مسلمانون کی دوسری خصوصیتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا،

"اُن کی عبادتگاہون کی نسبت اور لباس و طرزِ تحریر کے بارے مین جو چینیون کی وضع و طرز سے مختلف ہین، جس قدر شکایتین کی گئی ہین، وہ ہرگز لحاظ کے قابل نہین، یہ سب رواج اور دستور کی باتین ہین،"

آخر مین بادشاہ نے لکھا تھا کہ مسلمان ہمیشہ ہماری حکومت کے بڑے بڑے عہدون تک پہنچتے رہے ہین، اور سرکاری امتحانون مین اور لوگون کی طرح کامیاب ہوتے ہین پس مسلمانون اور غیر مسلمانون میں میری حکومت کسی تفریق اور امتیاز کو جائز قرار نہین دیتی[۱]، (آرنلڈ ص ۳۳۲)

اسی فرانسیسی مصنف دے تیرسان کے حوالہ سے آرنلڈ نے چینی مسلمانون کے اس خاص طرزِ عمل کا بھی تذکرہ کیا ہے، کہ

"مسلمان اپنے مذہب اور کنفوشس کے مذہب مین جو باتین مشابہ ہین، اُن کو جتلاتے ہین (دے تیرسان ص ۳۶)

گویا جیسے عیسائی مسلمانون سے اس لئے متاثر ہوتے تھے، کہ مسیح علیہ السلام اور اُن کی کتاب انجیل کے احترام مین مسلمان کوئی کمی نہین کرتے، یہی طریقہ چین کے عام مذہب کے پیشوا کے ساتھ انھون نے اختیار کر رکھا تھا، اور میرا خیال ہے کہ مسلمانون کے دین کا بھی اقتضا رہی ہے، اُن کو دنیا کے تمام ادیان و ملل سے تکذیب و تحقیر کا نہین، بلکہ تصدیق و تکمیل و تصحیح کا تعلق ہے، بالخصوص چین کے عام باشندون اس ملک کی حکومت، اس ملک کے باشندون کے مذہب کے ساتھ ایک خاص قسم کا روادارانہ برتاؤ

---

[۱] یہ چین کی شخصی حکومت یا قرونِ وسطیٰ کے تاریک عہد کی ایک تاریخی یادگار ہے، کیا جمہوریت کے اس طلائی اور روشن عہد مین لوگ قرونِ وسطیٰ کی شخصی حکومت کے اس فرمان سے کوئی عبرت حاصل کر سکتے ہین، کہنا بہت آسان ہے لیکن کر دکھانا واقعات ہی کی روشنی مین ممکن ہے، اس فرمان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون کے متعلق شکایتون کے اسباب بھی پرانے ہین اور شکایت کرنیوالے بھی نئے نہین ہین، لیکن باوجود ان تہمتون کے چین مین مسلمان بحمد اللہ اس وقت تک موجود ہین،

اور اسی کے ساتھ اس زمانہ مین اُن کی پختہ دینی زندگی ان ہی باتون مین اسلام کے فروغ کا راز ان عیسائی سیاحون کو نظر آیا تھا،

افریقہ کے دور دست علاقون یا جزیرون مین بھی یورپ والون کو اسلام کی ترقی کی تیز رفتار کے اسباب جو ملے ہین، اُن ہی کی کتابون سے بعض چیزین جنھین آرنلڈ نے نقل کیا ہے، پیش کی جاتی ہین، مثلاً افریقہ کے نیگرو اقوام کو مسلمانون نے کس طرح متاثر کیا، اس کی تفصیل کرتے ہوئے ایک مغربی مصنف بیان کرتا ہے،

"انتہا درجہ کی ظالمانہ رسمین جو ایک زمانہ سے تمام افریقہ مین پھیلی ہوئی تھین، اور اب بھی بر اعظم افریقہ کے بعض حصون مین گولڈ کوسٹ اور انگریزی نوآبادیون کے قریب جاری ہین، یعنی مردم خواری اور انسان کی قربانی، اور بچون کو زندہ دفن کرنے کا رواج اسلام قبول کرتے ہی فوراً ہمیشہ کے لئے موقوف ہوجاتا ہے،

آگے اسی کا بیان ہے کہ

"اب تک جو برہنہ یا نیم برہنگی کی حالت مین رہتے تھے، کپڑے پہننے شروع کرتے ہین، اور کپڑے ایسے جو پاک اور ستھرے ہون، اور وہ لوگ جو کبھی نہانا اور منھ دھونا نہین جانتے تھے، بار بار نہاتے ہین منھ دھوتے ہین، کیونکہ نفاست اور پاکیزگی کے قواعد ان کو بتائے گئے ہین،"

اسی نے بیان کیا ہے

"اس خوفناک مکان کی جگہ جسے جوجو کا گھر کہتے تھے، اور جس مین بدشکل چیزین پوجنے کے لئے رکھی ہوئی ہین،"

جوجو کے اس گھر کی جگہ

"اب خوبصورت بنی ہوئی پاک اور ستھری مسجد جس کی محراب مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"

جس مین مؤذن پانچ وقت اذان دے کر نمازیون کو بلاتا ہے، اور جس مین امام ہر جمعہ کو نماز پڑھاتا ہے، گاؤن کے مسلمانون کا عام مرجع بن جاتی ہے،

وہی لکھتا ہے کہ پھر ان ہی مسجدون مین

سب لوگ جمع ہوتے ہین اور اس خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہین، جو حاضر و ناظر علیم و بصیر و رحیم ہے" (آرنلڈ ص ۳۷۹)

بوسورتھ سمتھ کے حوالہ سے آرنلڈ نے ان ہی افریقی مسلمانون کے متعلق نقل کیا ہے،

"یہ بات سب نے تسلیم کی ہے، کہ افریقہ کے نومسلمون مین مذہب اسلام ایسی ہمت اور جرأت اور قدرت اپنے اوپر آپ بھروسہ کرنے کی قابلیت پیدا کر دیتا ہے، جن کا نشان ان ہی افریقی مسلمانون کے ہم قوم ہم وطن بُت پرستون یا عیسائیون مین مشکل سے ملتا ہے؛ لہ

ذرا خیال کیجئے مغربی افریقہ کا اور اس کے دریائے گامبیا جو سنگھالی قومون کے وطن سے گذرنے والے دریائے سنگھال کے قریب ہے، اور دونون بحر اوقیانوس مین جا کر گرتے ہین، ۱۸۳۱ء مین ایک مغربی سیاح اس علاقہ مین داخل ہوتا ہے، اور دنیا کے آخری حصہ کے اس علاقہ مین دوسری وحشی اور بت پرست قومون کے ساتھ مسلمانون کو بھی اُن ہی ملی جلی شکلون مین پاتا ہے، اس نے اس علاقہ کے مسلمانون کی دوسری خصوصیت کے ساتھ چند باتین یہ بھی بیان کی ہین، کہ

"ان مسلمانون کو مین نے بہت جفاکش اور سیدھا سادہ پایا، اپنے صرف سے زیادہ اناج وہ پیدا کر لیتے ہین،"

اس کے بعد وہی لکھتا ہے کہ

"ان مسلمانون کی مہمان نوازی بہت مشہور ہے،

لہ آرنلڈ ص ۳۸۰ بحوالہ بوسورتھ اسمتھ ص ۹۸، ۷، و ۸۰۰،

اور یہ کہ

"اس دیس کی دوسری قومیں ان مسلمانوں کی آبادیوں کے قریب آباد ہونا اپنے لئے نعمت تصور کرتی ہیں (آرنلڈ بحوالہ فرانسس مور ص ۵، ۷۰)

اسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ باوجود اس قدر امن پسند اور حلیم و بردبار ہونے کے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس علاقے کے مسلمان بزدل ہیں، بلکہ

"افریقہ کی اور قومیں جس قدر دلیر اور بہادر ہیں، اسی قدر بہادر یہ لوگ بھی ہیں، اور ہتھیار چلانے میں بڑے مشاق ہیں،

اور یہی ہے بھی درحقیقت دیندار مسلمانوں کی زندگی کی خصوصیت،

اسی سیاح نے یہ بھی لکھا ہے،

"یہ قوم بڑی متشرع مسلمان ہے، اس کا کوئی آدمی برانڈی یا پانی سے زیادہ تیز پینے کی چیز نہیں پیتا، (ص ۲۴۱)

ابن بطوطہ نے بھی اسی نیگرو قوم کے علاقے میں چودھویں صدی میں سفر کیا تھا، تو اس وقت بھی اوس نے یہی کہا کہ

"یہاں کے مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، جمعہ کے روز کوئی شخص بہت پہلے مسجد میں نہ پہونچے تو پھر جگہ ملنی ناممکن ہے، کیونکہ جمعہ کے روز نمازیوں کی بڑی کثرت ہوتی ہے" (ابن بطوطہ جلد ۴ ص ۴۲۱ و ۴۲۳)

چودھویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک کے سیاحوں کا بالاتفاق بیان ہے کہ نیگرو علاقے کے مسلمانوں کی زندگی پر دینی رنگ چڑھا ہوا تھا، اور اُن کی یہی زندگی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دوسری قومیں ان کے پڑوس میں آباد ہونے کو نعمت تصور کرتی تھیں، اور مسلمانوں کی دینی و اخلاقی زندگی

سے متاثر ہو کر اُن کے دین کو اختیار کرتی چلی جاتی تھیں، بلکہ انیسویں صدی کے آخر تک اس علاقے کے سیاحوں کی رپورٹوں سے ثابت ہوتا ہے کہ

"ساحل اور اطراف نیز اندرونی علاقوں میں اشاعت اسلام کا کام ترقی پر نظر آرہا ہے"[۱]

ان ہی سیاحوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ زیادہ تر اشاعت اسلام کا یہ کام مسلمان تاجروں کے ذریعہ انجام پارہا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ

"ان تاجروں کی طرف سے اس ملک کے دیسی باشندوں کے قلوب میں کسی قسم کی بدگمانی نہیں پائی جاتی"

اسی لئے

جب کوئی مسلمان سوداگر بت پرستوں کے گاؤں میں پہنچتا ہے، اور بار بار وضو کرکے رکوع اور سجدے سے نماز پڑھتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وہ خدا سے مخاطب ہے، تو گاؤں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں"

اور یہی نظارہ نیز

"مسلمانوں کی عقلی و اخلاقی برتری کی وجہ سے وہاں کے لوگ اُن کی توقیر کرتے ہیں، اُن پر بھروسہ کرتے ہیں"

یہ حال تو ان قوموں کے تاثرات کا ہوتا ہے، اور دوسری طرف جیسا کہ اس سیاح کا بیان ہے

"یہ مسلمان تاجر ہر وقت تیار رہتا ہے کہ جو خوبیاں خود اس میں موجود ہیں، وہی دوسروں میں پیدا کردے"

---

[۱] آرنلڈ نے ڈی ایچ ایسٹ، اور ڈبلو داس وغیرہ کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، دیکھو آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا ترجمہ ص ۳۷۱ [۲] بلنڈن کراو لیتو ص ۲۱۴ و ۶۲ آرنلڈ،

دیکھا آپ نے مسلمان اپنی دینداری کے زور سے قوموں میں، اعتماد اور بھروسہ کے پیدا کرنے اور پھر اُن کو اپنے دین میں داخل کر لینے میں کس طرح کامیاب ہوتے ہیں، اور یہی میں کہنا چاہتا تھا، کہ حاکم ہوں، یا محکوم، ہر حال میں اُن ہی مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ اچھا سلوک بھی کیا ہے، جو دین پر قائم تھے، اور ان ہی لوگوں کو دینی دائرے کی توسیع کا موقع بھی غیر قوموں میں ملا ہے، ورنہ جن مسلمانوں نے قوموں کے آگے اپنے آپ کو غنڈوں اُٹھائی گیروں، بدمعاشوں جھگڑالو آدمیوں کے قالب میں پیش کیا ہے، سچ پوچھئے تو اُن سے اسلام دوسرے دن تک تو کیا پہونچے گا، آج اسلام اُن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جیسا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے لکھا تھا ع

امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

آرنلڈ نے سر بارٹر فریری کے حوالہ سے افریقہ میں اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ افریقہ میں تبلیغ اسلام میں جو بہت تیز ترقی ہو رہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر نومسلم افریقی یہ یقین کر لیتا ہے کہ مسلمانوں کا گھر اس کا گھر ہے، جہاں اس کو ٹھہرنے اور کھانے پینے کا سامان جس وقت بھی وہاں پہنچے گا، میسر آسکتا ہے، اور یہ کہ

"اسلام قبول کرنے کے ساتھ اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ہی ملک میں ایک ایسی قوم کا رکن ہو گیا ہے، جو حکمران تو نہیں ہے لیکن ملکی رسوخ کے اعتبار سے ترقی یافتہ ہے"

سر بارٹر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان ہونے کے ساتھ اس نومسلم کو اخوت اور آپس میں برابر سمجھے جانے کا عملی برتاؤ اس کے سامنے آجاتا ہے، انھوں نے اس پر افسوس کیا ہے کہ گو عیسائی بھی اس دینی اخوت کا دعوی کرتے ہیں لیکن

"گورے رنگ کا عیسائی کالے رنگ کے کافر اور غلام افریقی کا مدت سے آقا سمجھا جاتا ہے"

آرنلڈ نے اسلام اور عیسائیت کے اس فرق کو تفصیل کے ساتھ مختلف شہادتوں کی روشنی میں واضح کیا ہے، آخر میں ایک مشنری کی رپورٹ سے یہ فقرہ بھی نقل کیا ہے کہ عیسائیوں کے اسی امتیازی سلوک کا نتیجہ ہے کہ

"افریقیوں میں یہ عام خیال پھیلا ہوا ہے، کہ اسلام کالے آدمیوں کے لئے، اور عیسوی مذہب گورے آدمیوں کے لئے مختص ہے، وہ جانتے ہیں کہ عیسوی مذہب ان کو نجات کے لئے بلاتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ان کو مذہب عیسوی ایسا ذلیل درجہ دیتا ہے، کہ وہ ہمت ہار کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہماری قسمت میں اس مذہب کا حصہ نہیں ہے، بخلاف اس کے اسلام ان کو یقین دلاتا ہے کہ یہ تم پر منحصر ہے کہ جس قدر بلندی تک پہنچنا ممکن ہو پہنچ جاؤ"

پس سچی بات یہی ہے کہ مشرق ہو یا مغرب، آج ہو یا کل، اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے اپنے اسی تجربہ کو پیش کیا ہے، کہ حاکم ہوں یا محکوم، کسی حال میں بھی ہوں، دین سے جس قدر قریب رہیں گے، خدا بھی اُن سے قریب رہے گا، اس کی امداد بھی ان کے قریب رہے گی، دنیا کی قوموں کے قلوب بھی اُن سے نزدیک رہیں گے، یہاں تک کہ یہی نزدیکی بالآخر اُن کو اسلام میں داخل کر کے رہتی ہے، مذکورہ بالا اقتباسات تو افریقہ کے متعلق آپ نے سُنے مشرق کے مجمع الجزائر، ملایا جاوہ، سماٹرہ وغیرہ میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے آرنلڈ ہی نے (مکینر) کی کتاب سے یہ فقرے نقل کئے ہیں

"ملایا کے یہ مسلمان ...... مذہب کے نہایت پابند ہیں، مجمع الجزائر کے کل مسلمانوں میں انکی پرہیزگاری کی ایسی شہرت ہے، کہ بطور مثال کے اُن کا ذکر کیا جاتا ہے"

مگر اس شدید قسم کی مذہبیت کے ساتھ یہ مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ

"ملک کے ہندو عیسائی، بدھ اور بُت پرستوں سے رات دن اُن کا میل جول بھی رہتا ہے"

اور یہ کہ

"مذہبی آزادی و رواداری، صلح کل کا اصول یہی اُن کا دستور اور قاعدہ ہے"

یہ لوگ

دنیا کی باتون مین لوگون کو نفع پہنچانے کے ساتھ ان کی مذہبی بہبودی کا خیال بھی اُن کو ہے،" اور ان ہی باتون کا نتیجہ یہ ہے کہ اس علاقہ کے باشندون مین ،

اسلام کا اثر بہت پایا جاتا ہے، سیاہیون مین جو لوگ مسلمان ہو گئے ہین انکو سمسام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ لوگ ایسی زبان بولتے ہین، جو ملایا اور سامی زبانون سے مرکب ہے، جزیرہ کی وحشی قومون مین بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے ہین (آرنلڈ ص ۳۹۵)

بہرحال بجائے اپنون کے غیرون کی ان شہادتون کو پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ مسلمانون کی دینی زندگی اور انکی اس زندگی کے، نتائج کو غیرون کی آنکھون نے کس نظر سے دیکھا ہے، خود مسلمانون کو اپنی دینی زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو یا نہ ہو، لیکن مسلمانون کو اپنے دین سے جہان کہین بھی پانے والون نے قریب تر پایا ہے، وہ ہمیشہ اسی اعتراف پر مجبور ہوئے ہین، جس کی کچھ مثالین آپکے سامنے گذرین، قرآن مین اصحاب کہف کی ایمانی خصوصیتون کو بیان کرتے ہوئے منجملہ اور باتون کے آخر مین جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

لو اطلعت علیھم لولیت منھم رُعبًا   انکو جھانک کر اگر تم دیکھوگے تو رعب سے تم بھر جاؤگے

مین تو غار مین ان پناہ لینے والے نوجوانون کے ایمان اور ان کی قوت ہی کو اس رعب کا سبب قرار دیتا ہون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتون کو گناتے ہوئے جن سے حق تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ کو سرفراز فرمایا ہے ایک خصوصیت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ

نصرت بالرعب علی مسیرۃ شھر (بخاری)   رعب سے میری مدد ایک مہینہ کی مسافت تک کی گئی ہے،

یعنی جن مقامات تک ایک مہینہ چل کر لوگ اس زمانہ مین پہونچتے تھے، ان تمام مقامات کے باشندون کے قلوب مین آپ کا رعب ڈال دیا گیا ہے، اس مین شک نہین کہ عام طور پر اس رعب کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہی کے ساتھ مختص سمجھا جاتا ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس سلسلہ مین دوسری چیزین مثلاً جعلت لی الارض مسجدًا وطھورًا (زمین کا پورا کرہ میرے لئے مسجد بنا دی گئی ہے، اور

یہ کہ اسی زمین کی مٹی طہارت (تیمم) کا ذریعہ بنائی گئی ہے) یا احلت لی الغنائم (جنگ کا مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا)، ظاہر ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان چیزون مین امت کو بھی جب حصہ ملا ہے تو رعب سے نصرت و امداد کے متعلق آخر یہ کیون سمجھا جائے کہ پیغمبر کی امت اس نعمت سے محروم ہے، اور صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک رعب والی یہ امداد محدود تھی،

بورنیو کے مجمع الجزائر مین جزیرہ زولو مین ڈل رہیل نامی ایک مغربی سیاح ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک مقیم رہا، اور وہان کے حالات پر اس نے ایک مضمون لکھا تھا، مسٹر آرنلڈ نے اسی مضمون سے نقل کیا ہے کہ

"یہان ایدان نامی ایک قوم ہے جس نے اب تک اسلام قبول نہین کیا ہے لیکن اپنی جہالت پر انکو مین دیکھتا تھا کہ نادم اور حسرت و افسوس مین مبتلا ہین، اور دل ہی دل مین خفیف رہتے ہین"

ڈل رہیل نے اسی کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

جس وقت ایدان قوم کے لوگ مسلمانون کے گھرون مین یا مسلمانون کے جہازون پر آتے ہین، تو مسلمانون کی بے حد تعظیم کرتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ مسلمان وہ ہین جن کو اپنے پروردگار کا علم حاصل ہے"

اسی کا بیان ہے کہ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ

جس جگہ مسلمان سوتے ہین وہان یہ ایدان بیٹھتے نہین، اور مسلمان جس ڈبیہ سے چونا نکال کر کھاتے ہین، اس مین یہ لوگ خود انگلیان ڈال کر چونا نہین نکالتے، بلکہ مسلمان جب اُن کو خود پان یا چونا دیتے ہین، تو بہت ادب سے لیتے ہین،

اور آخر مین اُس نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ

"جس خدا کو ایدان کے لوگ خود نہین مانتے، اس کی الوہیت کے اقرار مین وہ ایسے لوگون کے سامنے جو خدا کا علم رکھتے ہین ہر بات مین عجز و انکساری ظاہر کرتے ہین" (ص ۳۴۴)

آپ ہی بتایئے کہ ایمانی رعب کے سوا قوم ایران کے ان نفسیاتی تاثرات کی اور کیا توجیہ کیجائے غیروں کی ان شہادتوں کو پڑھ کر کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کہ اسلامی مورخین کی کتابوں میں اس قسم کی باتیں عموماً جو پائی جاتی ہیں، ان کا انکار کیا جائے مثلاً ذہبی نے منصور بن زاذان محدث کے ذکر میں لکھا ہے کہ عباد بن العوام جب کمسن تھے، منصور کے جنازے میں شریک ہونے کا موقع ان کو ملا تھا، یہی عباد کہتے تھے کہ

"میں نے دیکھا کہ منصور کے جنازے میں مسلمانوں کے سوا یہود الگ شریک ہیں، اور نصاریٰ الگ شریک ہیں، (ج ۲ ص ۱۳۴)

یا ابن عساکر نے ابن ابی خیثمہ کے حالات میں لکھا ہے کہ

"مصیصہ (شامی علاقہ کی چھاؤنی جو رومیوں کے حدود کے قریب تھی)، اسی مقام پر اُن کی وفات ۱۸۶ھ میں ہوئی، یہ ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا، جس دن ان کا انتقال ہوا دیکھا گیا کہ (مسلمانوں کے سوا) اپنے اپنے سروں پر یہود و نصاریٰ بھی خاک ڈال رہے ہیں اور اُن کی موت کے غم میں مسلمانوں کے برابر کے شریک ہیں" (تاریخ دمشق از ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۵۵)

ایسی صورت میں اس مشہور واقعہ پر کیوں تعجب کیا جائے جس کا تذکرہ امام احمد بن حنبل کے عام سوانح نگاروں نے کیا ہے، یعنی حضرت امام احمد کی جب وفات ہوئی تو،

اسلم یوم مات عشرون	جس دن امام کی وفات ہوئی تو عیسائیوں
الفا من النصاریٰ والیہود	یہودیوں پارسیوں میں سے بیس ہزار آدمی
والمجوس (مقدمہ مسند احمد جلد ۱ ص ۲)	مسلمان ہو گئے،

سچا اسلامی و دینی زندگی گذارنے والوں نے اپنی موت سے بھی ایمانی زندگی مختلف زمانوں میں جو بخشی ہے اس کا افسانہ تو اتنا طویل ہے کہ چاہنے والے کوئی مستقل کتاب ہی اس موضوع پر لکھنا چاہیں

ذکر کئے ہیں، اور اس میں حیرت ہے ہاں ان زندہ مسلمانوں کے پیچھے جن کی بے دینی یا دین سے دوری زندگی خود مسلمانوں کی ایمانی موت کا بسا اوقات سبب بن جاتی ہے، اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان ہی مسلمانوں کی بدولت کتنوں کو آج دین سے مرتد ہونے تک مجبور ہونا پڑا ہے،

وما اصابک من مصیبة فمن	اور مصیبت جو کچھ بھی تمہیں پہنچتی ہے، اس کا
نفسک (آل عمران)	منشا خود تم ہو، تمہاری ذات پر،

بہرحال ہم غیروں کے شکوے شکایت اور ان کے جور وظلم کی حکایت کے عادی ہو گئے ہیں اسی کا نتیجہ ہے، کہ غیروں کے رحم و کرم کے سوا اپنی پناہ گاہ اب ہمیں کہیں نظر نہیں آتی، حالانکہ آسان بات کو خود اپنے ہاتھوں ہم نے دشوار بنالیا ہے، زندگی کے وہی اوقات جو دوسروں کے شکوے شکایت میں ہم گذارتے ہیں، ان سے تھوڑا بہت تھوڑا وقت بھی اپنے آپ سے شکایت کرنے میں ہر شخص ہم میں دنیا اگر شروع کر دے، تو اس کو نظر آئے گا، کہ جن چیزوں کو ہم دوسروں کے اقتدار و اختیار میں پاتے ہیں، درحقیقت وہ خود ہمارے اختیاری چیزیں ہیں،

میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جن شکایتوں کا ازالہ خود ہمارے زیر اقتدار ہے جب ان کے ازالہ کی ہمت خود ہم میں باقی نہیں رہی ہے، تو غیروں سے ہمیں جو شکایتیں ہیں، اُن کے ازالہ کی ہم توقع کس بنیاد پر کر سکتے ہیں ہمیں خود اپنے آپ پر جب رحم نہیں آتا، تو دوسروں سے رحم کی امید تا بایا جائے کہ کہاں تک درست ہو سکتی ہے، خدا کے جس رسول علیہ السلام کے دست حق پرست پر ہمارے آبا و اجداد نے بھی بیعت کی، اور خود ہم بھی اس بیعت پر بحمد اللہ آجتک قائم ہیں، اسی بیعت پر اصرار کرتے ہوئے جینا بھی چاہتے ہیں، اور اسی پر لٹکے ہوئے ہیں کہ مریں گے بھی، کیا ہمارے لئے جائز تھا کہ اسی پیغمبر (صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ) کی ان باتوں کو سن کر جن کا حدیث کی صحیح کتابوں میں بار بار اعادہ کیا گیا ہے، مثلاً قریش کے جاہلی عرب کو اب خطاب کر کے فرماتے کہ

"ہم ان سے کچھ نہین چاہتے بجز ایک بات کے جس کا اقرار وہ کرلین، ایسی بات جو عرب کو بھی اُن کے سامنے جھکا دے گی، اور عجم سے بھی اُن کو جزیہ دلا دے گی"،

قریش کے صنادید پوچھتے کہ ایک بات کیا اگر واقعی یہ ممکن ہے جو تم کہتے ہو تو ہم ایسی دس باتین تمھاری ماننے کے لئے تیار ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تب فرماتے کہ

"لاالٰہ الا اللہ (کوئی الٰہ اللہ کے سوا نہین ہے،) بس اسی کو مان لو"

اسی کے بعد ارشاد ہوتا ہوکہ جن باتون کی ضمانت لی گئی ہے، خود دیکھو! کہ تمھارے سامنے آتی ہین یا نہین، قریش جب تک جاہلیت کا دورہ پڑا ہوا تھا، وہ اس سے انکار کرتے رہے یہی کہتے رہے،

ماسمعنا بھذا فی الملۃ الآخرۃ
ان ھذا الا اختلاق[1]

کسی دوسری قوم کی قومی زندگی (اللہ کو اللہ احد بنانے پر مبنی ہو) ہم نے آجتک یہ نہین سُنا، یہ تمھارا ایک خود تراشیدہ نظریہ ہے

بکر بن وائل کا قبیلہ جو ایرانیون کے حدود مین رہتا تھا، حج کے لئے مکہ معظمہ اسی قبیلہ کے بعض سردار آئے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سامنے بھی اسی ضمانت کو پیش کیا، کسریٰ ایران جس کے نام سے وہ لرزہ براندام ہوجاتے تھے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم میری بات مان لو،

---

[1] یہ سورہ ص کی مشہور آیت ہے، اس سورہ کی ابتدا اس مضمون سے کی گئی ہے، کہ بل الذین کفروا فی عزۃ وشقاق (اسلام کے نہ ماننے والے دراصل عزت اور چیر پھاڑ کے عارضہ مین گرفتار ہین) موجودہ قومیت کا بھوت قومون پر جو سوار ہے، حاصل اس کا اس کے سوا اور کیا ہے، کہ ہر قوم اپنی عزت و سربلندی و برتری کی مدعی ہے، اور یون بنی آدم کی ایک ہی نسل کو قومون اور ملتون کی شکل مین چیر پھاڑ کر رکھدیا گیا ہے، اسلام جب توحید کی دعوت پیش کر رہا تھا، کہتے تھے، کہ کسی دوسری قوم مین یہ بات سُنی نہین گئی،

ان لم تلبث قلیلا حتی یورثکم اللہ ارضھم واموالھم
تو نہ ٹھہرو گے تم زیادہ دن تک کہ مالک بنا دے گا اللہ تعالیٰ تمھین ایرانیون کی زمین کا بھی، اور اُن کے اموال کا بھی،

اسی عرصہ مین ابو لہب آگیا، اور بولا یہ دیوانہ ہے، اس کی بات کا خیال نہ کرو لکھا ہے کہ بکر کے سردارون نے تب ابو لہب سے کہا، کہ

"ہان فارس (ایران) کے متعلق جو باتین اس شخص نے کہین، ان کو سُن کر تو ہم نے بھی اس کو مجنون ہی خیال کیا تھا"[1]

مگر دنیا نے کل پندرہ بیس سال کے عرصہ مین دیکھ لیا کہ دیوانہ کون تھا، اور کون قوانین عالم کے سلسلہ کے کلیدی قانون کے پانے مین کامیاب ہوا تھا،

سچی بات تو یہ ہے کہ قریش کے جاہلون نے تو دیکھنے اور تجربہ سے پہلے انکار کیا تھا لیکن اس امت کے متعلق اب مین کیا کہون جس کے سامنے وہ سب کچھ گذر چکا ہے، جو کہا گیا تھا، اس نسخہ کا بار بار تجربہ کرکے نتائج کا مشاہدہ کر چکی ہے، جس کے پینے کی ابتدائی دعوت قریش کو دی گئی تھی، لیکن بجائے خطاب[2] ہونے کے ہوتا کہ ہم مین کل نہین تو بعض ہی لوگ اوّاب[3] ہونے کی زندگی اختیار کرتے "دیگران" سے ہٹ کر اپنی نصیحتون کا رُخ کچھ دن کے لئے خود اپنی طرف پھیر دیتے،

---

[1] سیرۃ محمدیہ للدہلوی [2] تقریر کرنے والا [3] مجاہد امام المفسرین سے اوّاب کے قرآنی لفظ کی تشریح مین یہ روایت نقل کی گئی ہے، کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوّاب کے معنی مجاہد نے پوچھا ابن عمرؓ نے کہا کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

"اوّاب وہ ہے جو تنہائی مین اپنے گناہون کو یاد کرکے حق تعالیٰ سے اُن کی مغفرت کی درخواست کرتا ہے"

(فتح القدیر شوکانی ج ۵ ص ۴۱۵)

پھر کہف (غار) کے نوجوانون نے جیسے کہا تھا،

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — ہمارا مالک وہی ہے، جو آسمانون اور زمین

لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ — کا مالک ہے، نہین پکارتے ہم اس کے سوا

قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا — کسی دوسرے الہ کو یقیناً اس وقت کہین گے[۴]

یہ کہتا ہوا آج بھی مسلمانون مین نوجوانون کا کوئی گروہ کھڑا ہوجاتا، تو یقین مانئے کہ اسی کہفی زندگی سے وہ اپنے لئے بھی اور اپنی قوم کے لئے بھی مراقی حیات اور معاشی سہولتون کے سرچشمہ کے پالینے مین کامیاب ہوجاتے، اور آج زندگی کی صحیح راہ کے ڈھونڈھنے مین انسانیت جو بھٹک رہی ہے اس کو اپنی اس جستجو مین ولی مرشد بھی مل جائے گا، وہی قومین جو آج دنیا کے مردار پر کتون کی شکل مین ٹوٹی پڑتی ہین وہ اُن کی محافظت پر دیکھین گے کہ آمادہ ہوگئی ہین، ہر دیکھنے والا اُن سے مرعوب ہونے لگے گا اور مجال کسی کی نہ رہے گی جو اُن کے سامنے ٹھہر سکے،[۱]

---

[۱] اس موقع پر مناسب ہوگا کہ سورۂ کہف کی ان آیتون کو پیش نظر رکھ لیا جائے جن کے مضامین کی طرف ان فقرون مین اشارہ کیا گیا ہے تشریحی ترجمہ ان آیتون کا یہ ہے یعنی کہف والون کے قصہ کو بتاتے ہوے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

"وہ چند نوجوان تھے، جنھون نے اپنے رب (مالک) کو مان لیا تھا اور ہم نے راہ نمائی مین ان کو ترقی عطا کی اُن کے دلون کو ہم نے باندھ دیا (مخلوقات کا خوف اسی لئے نکل گیا، کہ خالق کو بند جانے کے بعد مخلوق کا وزن قدرۃً انسانی قلوب مین باقی نہیں رہتا) اور دیکھو! جب نوجوانون کی یہ ٹولی کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی ہمارا مالک ہی ہے جو آسمانون اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو نہ پکارین گے ایسا اگر ہم نے کیا تو راستی سے ہٹ جائینگے، ہماری قوم نے خالق کے سوا مخلوقات کو اپنا معبود اور الٰہ بنا رکھا ہے کیون نہین اپنے اس فعل کے جواز مین کوئی ایسی کھلی دلیل پیش کرتے جو عقل پر چھا جائے، اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے، جب قوم کے ان لوگون کو، اور جن کو خدا کے سوا یہ پوجتے ہین تم نے چھوڑ دیا تو آؤ چلو اس غار مین ہم پناہ لین اپنی رحمت کو خدا وہان پھیلائے گا، اور مرفق (زندگی کی

کتب خانۂ حبیب گنج

از

جناب مولانا سید بدر الدین صاحب علوی استاذ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

اگرچہ اس کتب خانہ کی شہرت نزدیک و دور بہت کافی ہے اور متعدد مضامین اس کے متعلق جابجا نکل چکے ہین، مگر میرے خیال مین ابھی تک یہ کتب خانہ پبلک کی نگاہ مین اس قدر نہین آیا جس قدر اس کی ضرورت ہے، اس لئے اس سلسلے مین کچھ لکھنا تکرار کی حد مین داخل نہین،

مجھے کئی بار حبیب گنج کی حاضری کا اتفاق ہوا، لیکن مستعجلانہ، اسی وجہ سے مین کسی بار بھی کتب خانے کی سیر نہ کرسکا تھا، اس لئے عرصہ سے شوق تھا، کہ اس کی سیر سے بہرہ اندوز ہون، عالیجناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا شروانی جامع کتب خانہ خود بھی ازراہ ذرہ نوازی مجھے حبیب گنج آنے کی دعوت دیا کرتے تھے، یونیورسٹی کی تعطیل کلان کا زمانہ داعی و مدعو دونون کے خیال مین اس کے لئے موزون تھا، چنانچہ ہر سال تعطیل کے آغاز مین اُدھر سے دعوت کی اور ادھر سے قبول کی تجدید ہوجایا کرتی تھی، مگر علائق وانکار نے اس کو عمل مین آنے کی نوبت نہین آنے دی تھی، امسال آغاز تعطیل پر مین نے عزم کیا، کہ تمام موانع کو پست کرکے اس ارادے کو ضرور پورا کرون گا، اور مولانا شروانی کو بھی اس سے آگاہ کردیا، موصوف نے جواب مین پُرخلوص تپاک کا اظہار فرمایا، چنانچہ اخیر جون مین ایک روز مستعد ہوکر لاری کے اڈے پر پہنچا، معلوم ہوا، کہ لاری اب تک نہین آئی، دو موٹر پہلے اس طرف جارہے تھے، ان پر جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی وہ بھی ناکام رہی، بالآخر چار گھنٹے انتظار کرنے کے بعد ناکامی پر تاسف مکان واپس آگیا، دوسرے دن پھر

لاری کو دریافت کرایا معلوم ہوا کہ لاریون کی آمد و رفت گذشتہ دن سے ہی بند ہوگئی ہے، اسی دن نواب صاحب ممدوح علی گڈھ تشریف لے آئے، ناکامی کامیابی سے مبدل ہوئی، اور الخیر فی ما وقع کا ثبوت مل گیا، نواب صاحب موصوف نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلنا، چنانچہ شروع جولائی مین یعنی چار پانچ روز بعد مجھے اپنے ساتھ کار مین لے گئے، اس موقع پر ایک واقعہ کا بیان خالی از لطف نہ ہوگا، وہ یہ کہ جس دن مین نواب صاحب کے ساتھ حبیب گنج جا رہا تھا، اس سے چار روز قبل میرے ایک قدیم شاگرد مولوی عبد الرؤف صاحب سنبھلی آئے ہوئے تھے، انھون نے میری معیت کی خواہش ظاہر کی، اور بذریعہ لاری وہ بھی حبیب گنج پہنچ گئے، وہان اُن کی طب و حکمت کا مظاہرہ شروع ہوا، ناظم کتب خانہ کے یہان کوئی علیل تھا، اونھون نے رجوع کیا، پھر اور لوگون نے، اور لوگون سے تو مجھ کو کچھ مطلب نہین، مگر ناظم کتبخانہ بلا لحاظ وقت و ناوقت حکیم صاحب کی وجہ سے پورے زمانہ قیام تک جو تقریبًا ایک ہفتہ تھا، کتب خانہ کھول کر میری ضیافت کے لئے تیار رہے جس کی وجہ سے تھوڑے وقت مین زیادہ استفادہ کر سکا،

یہ کتب خانہ انفرادی کوشش کا ثمرہ ہے، اور نواب صاحب ممدوح نے اپنی عمر کے پورے ستر برس اس پر خرچ کئے ہین، موصوف کو شوق ہے تو کتاب کا، شغف ہے تو نوادر کا، جب حبیب گنج مین قیام فرما ہوتے ہین، تو لازمی طور پر روزانہ صبح سے دوپہر تک کا وقت کتب خانہ مین گذرتا ہے، ممکن نہین کہ اس مین فرق آئے، جہان کتب خانہ مین داخل ہوئے علائق ریاست باہر چھوڑے، فرماتے ہین، کتب خانہ مین داخل ہوتے ہی مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن مصنفین کی کتابین یہان ہین، مین اُن کی مجلس مین آگیا، پھر اس مجلس مین اسی کے حسب حال مطالعہ یا مذاکرہ مشغلہ ہوتا ہے،

نواب صاحب نے اس کتب خانہ مین یہ التزام رکھا ہے کہ کوئی چیز بھی بے کار نہ آنے پائے، صرف قدامت و ندرت وہان جگہ پانے کی مستحق ہے، چنانچہ اس مین موصوف کو بہت اچھی کامیابی حاصل ہوئی، مختلف اقسام کے نوادر اُن کے یہان بہت کافی ہین، عمومًا ایسے مقامات پر نوادر کے حاصل کرنے

مین لوگ جائز و ناجائز کا خیال نہین رکھتے، مگر خاص بات سننے کے قابل یہ ہے، اگر کوئی چیز آپ کے یہان ناجائز ذریعہ سے نہین آئی، ایک کتاب ناجائز طریقے پر آگئی تھی، جس کو داخل کتب خانہ نہین کیا تھا، خلش لگی ہوئی تھی، مگر خدا نے اُن کے تقوی کی لاج رکھی، اور جب انھون نے مالک کو واپس کی تو مالک نے خود وہ کتاب کتب خانے کو وقف کر دی، یہ کتاب دیوان قاسم انوار کا نادر الوجود نسخہ ہے، اس دیانت کے باعث بعض اوقات نوادر ہاتھ مین آکر نکل بھی گئے، مثلًا یاقوت مستعصمی کے قلم کا کلام اللہ،

نواب صاحب نے اپنے یہان کی ہر کتاب کا مطالعہ کرکے اس کی خصوصیات نوٹ کین، اور متعدد اقسام کی فہرستین خود اپنے ہاتھ سے مہینون محنت شاقہ کرکے ترتیب دی ہین، فہرست کی ترتیب کے زمانے مین ڈیڑھ بجے دن تک تیز لو کی حالت مین برآمدے میں بیٹھے رہتے تھے، کتابون کے حصول کا شوق اس واقعہ سے ملاحظ کیجئے، کپڑا خریدنے کے ارادے سے دہلی گئے ہوئے ہین، ایک بزاز کی دوکان پر بیٹھے ہین، بزاز کپڑے پیش کر رہا ہے، ایک اجنبی شخص ایک کتاب لے کر دوکان کے پاس آتا ہے، اس سے پوچھتے ہین، کیا کتاب ہے، وہ بجائے جواب کے کتاب ہاتھ مین دے دیتا ہے، دیکھتے ہین تو دیوان فغانی ہے، فورًا اس کو خرید لیتے ہین، بزاز متحیر ہے کہ کپڑے چھوڑ کر کدھر لگ گئے، بالآخر دیوان فغانی ہاتھ لگنے کی خوشی مین کپڑے کی خرید اس وقت ملتوی کر دیجاتی ہے، یہ سارا واقعہ جلد کے سادہ کاغذ پر نوٹ ہے،

کتب خانے کی فہرستین جن کا ابھی ذکر ہوا، دو طریقے کی تیار فرمائی ہین، ایک تو یہی معمولی طریقہ پر جس مین کتابون کو باعتبار علوم و فنون اور باعتبار زبان لکھا جاتا ہے، دوسرا طریقہ باعتبار اہمیت و خصوصیت ہے، چونکہ آخر الذکر میرے ذوق کی چیز ہے، اس لئے مضمون مین اسی پر روشنی ڈالونگا،

اس فہرست مین ۱۲ عنوانات ہین، ہر عنوان ایسا ہے کہ اس پر مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے،

(۱) اس مین وہ کتابین ہین، جو طلائی کام کے لحاظ سے ممتاز ہین، مختلف زمانون مین اور مختلف

ممالک میں کس کس طرح طلائی کام ہوتا تھا؟ اس سلسلے کی کتابوں پر نظر ڈالنے سے سب بیک وقت سامنے آجاتا ہے، میں صرف چند چیزوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں، ایک نسخہ کلام اللہ کا بتقطیع کلان اس قدر اعلیٰ کام کا ہے، کہ اس کی خوبی صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، دوسری چیز مثنوی گوے وچوگان ہے، اس کا کام بھی قابلِ دید ہے، علاوہ برین یہ کتاب میر علی کاتب مشہور خطاط کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے تاریخ کتابت سنہ ۹۲۶ھ، تیسری چیز ایک اور قرآن مجید کا نسخہ ہے، جس میں ہر پارہ پورے ایک ورق پر لکھا ہے اور اتنا صاف اور خوشخط ہے، کہ تعریف نہیں ہو سکتی، چوتھی چیز کریما کا نسخہ ہے، طلائی کام کے ساتھ ساتھ خط نہایت پاکیزہ، اور یہ پورا نسخہ مطلا ہے،

(۲) اس میں اعلیٰ درجہ کے خطاطوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جن میں میر عماد اور امیر علی کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں،

(۳) اس میں وہ کتابیں ہیں، جو بڑے لوگوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، مثلاً شاہ جہان کے وزیر آصف خان اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہما،

(۴) اس میں قدیم جلد سازی کے نمونوں کے اعتبار سے کتابیں لکھی گئی ہیں، گل کاری ایرانی جلد کا ایک نسخہ کلام اللہ کا خاص اہمیت رکھتا ہے، اور یون تو سب ہی نمونے قابلِ دید ہیں،

(۵) اس میں وہ کتابیں رکھی ہیں جن کا تعلق بادشاہوں سے رہ چکا ہے، مثلاً ایک نسخہ صحیح بخاری کا جو سلطان ابراہیم عادل شاہ کے کتب خانہ میں رہ چکا ہے، یہ نسخہ دیگر خصوصیات کا بھی حامل ہے، محمد گاندونی کا خط اور معاینہ سنہ ۸۸۸ھ اس پر تحریر ہے، دوسری تفسیر جلالین بقلم رضی الدین محمد تفرشی کاتب بمقام حیدرآباد سنہ ۱۰۹۶ھ، کاتب سلطان ابو الحسن تاناشاہ سے استفسار کرتا ہے، اور بادشاہ کے جواب کو بھی لکھتا ہے،

(۶) اس میں وہ کتابیں ہیں جو بادشاہوں کو مالِ غنیمت میں ملی ہیں،

(۷) جن کتابوں پر مقام تحریر درج ہے، وہ اس میں آتی ہیں، مثلاً حرمین شریفین، بغداد، تبریز، بخارا، دمشق، سمرقند، مراغہ، مشہد وغیرہ، غرض کوئی ایسا اسلامی ملک نہیں ہے، جہان کی لکھی ہوئی کتاب اس میں موجود نہ ہو، ایک کتاب کعبہ شریف کے سامنے سنہ ۹۰۲ھ میں لکھی گئی ہے جس کا نام ہے ایجاد القلم شرح لامیۃ العجم، اس کتاب پر میر غلام علی آزاد بلگرامی کے ہاتھ کی بھی تحریر ہے، جس کی تاریخ شوال سنہ ۱۱۶۷ھ ہے، دوسری کتاب شرح عقائد جلالی ہے جو بخارا میں لکھی گئی، تیسری کتاب مطول ہے، جو بمقام ہرات سنہ ۸۴۶ھ میں لکھی گئی، میں نے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند نام لئے ہیں،

(۸) اس میں ہنروں کے مختلف نمونے دکھلائے گئے ہیں، جو ایسے عجیب وغریب ہیں، کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے،

(۹) اس میں کتابوں کو باعتبار اقسام خطوط دکھلایا ہے، جملہ اقسام خطوط مثلاً نسخ، نستعلیق، شکستہ، خطِ ایرانی، وغیرہ وغیرہ کی کتابیں موجود ہیں، ان میں سے صرف ایک دیوان حافظ کا ذکر کرتا ہوں جو قوام شیرازی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

(۱۰) یہیں کاغذ کے اقسام کے اعتبار سے کتابوں کو تقسیم کیا ہے، زرافشانی گجراتی کاغذ پر ایک نسخہ کلام اللہ کا ہے، جو فرخ سیر بادشاہ دہلی کے کتب خانے میں رہ چکا ہے، عربی کاغذ پر ایک کتاب سراج القاری ہے، جو خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، نام علی بن عثمان القاصح متوفی سنہ ۸۰۱ھ، حریری کاغذ پر شفاے قاضی عیاض بہت خوشخط لکھی ہوئی ہے، سنہ کتابت ۱۱۴۴ھ، خلاصہ یہ کہ استنبولی، سمرقندی وغیرہ جملہ اقسام کے کاغذوں پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں،

(۱۱) اس سلسلہ میں وہ کتابیں ہیں جو خود مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، مثلاً امام صوفیہ ابو القاسم قشیری متوفی سنہ ۴۶۵ھ کا ایک رسالہ عیون الاجوبہ فی فنون الاسولہ خود ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے، اس سلسلہ میں حسب ذیل کتابیں اور قابلِ ذکر ہیں،

ارتیاح الاکباد بارباح فقد الاولاد، مصنفہ علامہ حافظ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ اس کتاب پر خود مصنف کے قلم کے حواشی ہین،

کلمات طیبات تعلیم جہان آرا، دختر شاہ جہان بادشاہ ۱۰۹۲ھ

ایک کتاب ملا شوستری کی خود ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، متعدد کتابین خود مصنف کے نسخون سے نقل شدہ ہین، مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کی شرح حکمت الاشراق، میر باقر داماد کی ایماضات، شارح جغمنی کی شرح ملخص، سعدی شیرازی کی کتاب الخواتیم ۷۰۵ھ، شیخ فیضی کی کلیات ۹۹۵ھ شاہ عبد العزیز صاحب کی تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ،

(۱۲) وہ کتابین جو اساتذہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، یا ان کے تحشیے، تصنیف یا کسی اور حیثیت سے ان سے تعلق رکھتی ہین، مولانا بزرگ علی صاحب مفتی عنایت احمد صاحب، قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی مولانا مفتی لطف اللہ صاحب اور مولوی عبد الغنی خان صاحب رحمہم اللہ اس عنوان کا سرمایہ ہین، یہ عنوان ثابت کرتا ہے کہ نواب صاحب کو اپنے اساتذہ سے خاص شغف ہے، اس سلسلہ مین ایک نسخہ ترمذی کا قابل ذکر ہے، جو قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی کی ملک رہ چکا ہے، اس نسخہ پر ۱۰۹۱ھ کی تحریر ہے، باقی عنوانات حسب ذیل ہین،

(۱۳) اس مین وہ کتابین ہین، جو بلحاظ خط نادر ہین، مثلاً کلام اللہ بخط کوفی، اس کے صرف پانچ ورق حبیب گنج کے کتب خانہ مین ہین، نواب صاحب نے ان ورقون کے فوٹو بھی لے لئے ہین اس نسخے کے متعلق شاہ جہان بادشاہ کے قلم کی شہادت ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے،

(۱۴) نوین صدی ہجری کے قبل کی لکھی ہوئی کتابین اس عنوان کے تحت مین ہین، مثلاً اغنیا دواوین متنبی وبحتری وابو تمام از عبد القادر جرجانی سنہ کتابت ۶۴۵ھ ادب المستجاد من فعلات الاجواد

یہ نسخہ ڈاکٹر کرنیکو مشہور مستشرق کی ستایش اور تحسین حاصل کر چکا ہے،

(۱۵) اس مین وہ کتابین ہین جو نواب صاحب کے رشتہ دارون سے تعلق رکھتی ہین،

(۱۶) اس مین وہ کتابین ہین، جن کا تعلق سلاطین کے وزراء سے ہے،

کتابون کے علاوہ قدیم زمانہ کے مشہور خطاطون کی لکھی ہوئی بکثرت وصلیان اور قطعات ہین جن کا تفصیلی تذکرہ مشکل بھی ہے اور طویل بھی، اُن کی خوبی قابل دید ہے،

ان کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ ان قدیم قلمی تصویرون کا ہے، جو اپنے بنانے والون کے کمال کا ثبوت دے رہی ہین، ان تصویرون کی خوبی محو حیرت بنا دیتی ہے، مالا یدرک کلہ لا یترک جلہ کے بموجب تین چیزون کا ذکر کیا جاتا ہے،

(۱) شاہ عباس صفوی کی لڑکی کی تصویر، کاغذ پر تصویر اور فارسی عبارت ہے، حاشیے پر بیل بوٹے ہین، جو کپڑے پر ہین، لیکن کاغذ اور کپڑے کو ایسا وصل کیا ہے، کہ امتیاز کرنا سخت دشوار ہے،

(۲) ایک پھول کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہے، کہ ہم جیسے غیر مبصر اس کی داد دینے سے قطعاً قاصر ہین، لیکن یورپ کے مبصرین نے اس کی پوری قدر شناسی کی، چنانچہ انگلستان کے ایک بڑے شخص نے کسی طریقہ پر اس کا حبیب گنج مین ہونا معلوم کرکے پچھلے سال اس کا فوٹو منگوا اور اپنی رائے کا اظہار کیا،

(۳) نوابان اودھ کے زمانہ کا ہندوستان کا ایک نقشہ ہاتھ کا کھینچا ہوا ہو جو ہر اعتبار سے اس زمانے کے جغرافیہ کے نقشون کا ہم پلہ ہے، یعنی ایک نقشہ مین جتنی چیزین دکھلائی جاتی ہین وہ سب اس مین موجود ہین، اور ایک چیز مستزاد ہے جس سے نقشہ بنانے والے کی مصوری کا کمال معلوم ہوتا ہے، اور جس نے اس نقشے کو ذرا دور کی صف مین لاکر کھڑا کیا ہو وہ یہ ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کے نقشہ مین مختلف اقسام کے جانور جو ہمالیہ کے مختلف حصون مین ہوتے ہین، اپنے اپنے مقام پر اپنی اصلی شکل مین بنائے ہین،

سر ہارکورٹ بٹلر یوپی کے گورنر کو کسی طریقے پر اس نقشے کا علم ہوا، تو گرویدہ ہو کر اس کی نقل مانگی، دہلی میں ایک ماہرِ فن نے دو سو روپیہ میں نقل تیار کرنے پر آمادگی ظاہر کی، مگر ظاہر ہے کہ نقل اصل سے کہیں کمتر ہوتی، اس لئے اتنا خرچ اس پر غیر ضروری سمجھ کر معمولی نقل جو بیس روپیہ میں تیار ہوئی، نواب صاحب نے گورنر صاحب کو بھیج دی،

الغرض یہ کتب خانہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر علم وفن کے دلدادہ کو اپنے مذاق کی چیزیں بکثرت ملتی ہیں، اور جہاں ایک صحیح ذوق کا آدمی مدت دراز تک بہت دلچسپی کے ساتھ وقت گذار سکتا ہے،

دارالمصنفین کی نئی کتاب

اقبال کامل

از

مولانا عبد السلام ندوی

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ وشاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین رسالے اور کتب میں لکھی گئیں لیکن اُن سے ان کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں اُن کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے اور سوانحِ حیات کے بعد پہلے اُن کی اُردو شاعری، پھر شاعری پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بے خودی، نظریۂ قومیت، تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف یعنی عورت، فنونِ لطیفہ، اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، ضخامت چار سو صفحات قیمت

"منیجر"

شادی آباد

از

نواب محمد صابر قلی خان بالقابہ والی ریاست محمدی گڈھ مالوہ

ذیل کا مضمون ایک ہونہار نوجوان تعلیم یافتہ رئیس کے قلم کا نتیجہ ہے، دو ڈھائی سو برس ہوئے جب ان کے مورث ہندوستان کی سرحد سے مالوہ پہنچے اور ملک کی طوائف الملوکی میں عین مرہٹوں کے عروج کے زمانہ میں اپنی تلوار کے زور سے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی، جو اب محمدی گڈھ کے نام سے مشہور ہے، اور اس وقت اس کے فرمانروا نواب محمد صابر قلی خان بہادر دلیر جنگ ہیں، جو اسی سال اندور کالج سے فارغ ہو کر مسند آرائے ریاست ہوئے ہیں، اور اب انڈین یونین میں داخل ہو کر ان کی ریاست مدھ بھارت (ممالک متوسط) میں گوالیار اور اندور کا ضمیمہ بن گئی،

موصوف نہایت سعید متین سنجیدہ اور تاریخ اسلام اور ادب سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں، اور اسی لئے وہ دارالمصنفین اور اس کے رفقا سے بہت محبت رکھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اب وہ بزرگوں کی تلوار کو نیام میں رکھ کر صاحبِ قلم کی زندگی اختیار کریں اور ناموران اسلام کے نام سے ایک مجموعہ بھی تالیف کیا ہے، اللہ تعالیٰ قدیم خاندان کی اس یادگار کو ہمت وسعادت بخشے،

موصوف کی ہمت افزائی کی غرض سے ان کا طالب علمی کا ایک چھوٹا سا مضمون شائع کیا جاتا ہے، گو مانڈو کی عمارتوں اور کتبوں پر انگریزی میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے ایک کتاب اور اسکا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے تاہم یہ مختصر سا مضمون ایک مسلمان نوجوان رئیس کے قلم سے جذبات کی آمیزش سے ایک مزید عبرت کا سامان رکھتا ہے،

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ شادی آباد کے سلاطین گو مٹ گئے، مگر اس شہر کے اہلِ قلم کا نام زندہ ہے، جن میں سے ایک محمد بن داود بن محمد علوی مشہور فارسی شاعر انوری کے دیوان کا شارح ہے جو شادی آبادی کے نام سے مشہور ہے، اس کے علاوہ اور خدا جانے کتنے فضلا اس سرزمین سے نسبت رکھتے ہونگے، "س"

ہندوستان میں پرانے شہروں کی کمی نہیں، سب سے پرانی جگہ دلی ہے، لاہور ہے، اور نئے بسے ہوئے پرانے شہروں میں آگرہ اور لکھنؤ ہے، اور یہ سب شہر بھی کسی زمانہ میں بادشاہوں کے دار الحکومت تھے، یہ پہلے بھی آباد تھے، اور اب بھی آباد ہیں، فرق اتنا ہے کہ اب قلعوں اور محلوں کے بجائے وہاں نئی کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر ہو رہے ہیں، فانوسوں کی جگہ بلب جھلملا رہے ہیں ہاتھیوں اور ہواداروں کے بجائے موٹریں چل رہی ہیں، پرانے استادوں نے بھی اپنی اپنی استادی دکھائی تھی، اور اب نئے انجینیر بھی اپنی صناعیاں ظاہر کر رہے ہیں، غرض تہذیب وتمدن نے جس طرح ان شہروں کو پہلے دلھن بنا رکھا تھا، اب بھی سجا رکھا ہے،

آیئے اب ایک شہر میں آپ کو دکھاؤں جو کبھی آباد تھا، اور اب برباد ہے، یہ مالوہ کا دار الحکومت مانڈو ہے جس کا نام بادشاہوں نے شادی آباد رکھا تھا، یہ مالوہ کے خلجی بادشاہوں کا دار الحکومت تھا، اس شہر کی خوبصورتی اور آبادی کی تعریف ہر مورخ نے کی ہے، یہاں لاکھوں انسانوں کی آبادی تھی، اور سیکڑوں محلات اور حویلیاں تھیں، یہاں کے بادشاہوں میں محمود خلجی جیسے فاتح، غیاث الدین جیسے باشوکت، اور باز بہادر جیسے عیش پسند حسن پرست اور آرٹسٹ گذرے ہیں، جن کے نام تاریخ ہند میں اب بھی روشن ہیں، یہ شہر کبھی سلطنت مالوہ کا پایہ تخت خلجی پٹھانوں کا صدر مقام اور اُن کی تہذیب و تمدن کا نگار خانہ تھا، لیکن آج اس شہر کی حالت دیکھ کر عبرت کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، سیکڑوں حویلیاں کھنڈر اور پتھروں کے ڈھیر بن کر رہ گئی ہیں، اور لاکھوں پٹھانوں اور ترکوں کی جگہ چند غیر مہذب بھیل جھونپڑوں میں رہتے ہیں، اُدھر ہر طرف سناٹے کا عالم ہے،

اس کھنڈر میں اب بھی جو کچھ رہ گیا ہے وہ شاہکار اور گویا پتھروں میں لعل ہے، سنہ ۱۹۴۵ء میں

جب میں سینیر کیمبرج کی تعلیم پا رہا تھا، مانڈو گیا اور ایک پرانے محل میں جس کی حالت دوسروں سے کچھ بہتر ہے، اور جسے گورنمنٹ نے ڈاک بنگلہ بنا دیا ہے، ایک ہفتہ تک ٹھہرا، وہاں جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا آج وہ دوسروں کو سناتا ہوں،

سب سے پہلے میں نے یہاں کی جامع مسجد دیکھی، خوبصورت مسجدیں تو بہت دیکھی ہیں، لیکن خوبصورتی کے ساتھ ایسی پختگی اور کسی میں نہ پائی، پوری عمارت سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے کہیں کہیں محرابوں وغیرہ میں سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ سے سجاوٹ کا کام لیا گیا ہے، جیسے پٹھان خود جسیم اور طاقتور تھے، ویسے ہی بڑے بڑے اور مضبوط پتھروں کی پُر عظمت عمارتیں بنائی تھیں اور پتھر کے جوڑوں کو لوہے سے کسا ہے، محرابیں اور گنبد خالص پٹھانی وضع کے ہیں، اس کی تعمیر ہوشنگ شاہ غوری نے شروع کی تھی، اور محمود خلجی نے تکمیل کی، سنہ ۱۴۳۰ء اور سنہ ۱۴۴۰ء کے درمیان میں تعمیر ہوئی ... تین صدیوں سے اس شہر میں مسلمانوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے، لیکن زمانے کے بڑے بڑے انقلابات کے بعد بھی جس حالت میں یہ عمارت قائم ہے، اُسے دیکھ کر پٹھانوں کی صنعت گری اور عمارت کی مضبوطی و استحکام کا اندازہ ہوتا ہے،

مانڈو کے بھیل محمود شاہ خلجی کے مقبرہ کو اشرفی محل کہتے ہیں، مقبرہ کیا اب تو صرف ایک کھنڈر باقی رہ گیا ہے، اگر اس کی پہلی عظمت معلوم کرنا ہو تو تاریخ فرشتہ پڑھئے، کہا جاتا ہے، کہ تاج محل کے بننے سے پہلے اگر کوئی عمارت ہندوستان کا تاج کہلانے کی مستحق تھی تو وہ یہی تھی،

یہ عمارت پہلے طبی مدرسہ تھی، محمود خلجی نے اس کے صحن کو پُر کر کے دوسری منزل پر اپنا شاندار مقبرہ بنوایا اور ایک کونے میں اپنی فتوحات کی یادگار میں ایک بڑا بلند مینار تعمیر کرایا جو ہفت منزل مینار کہلاتا تھا، مقبرہ سر سے پیر تک سفید سنگ مرمر کا تھا، اور اس کے اندر اور باہر ہر طرف کلام مجید کی آیتیں اُبھرے ہوئے خط میں کھدی ہوئی تھیں، اب تو صرف دو ایک جگہ قدِ آدم دیواریں باقی ہیں، ورنہ چھت اور گنبد سب ٹوٹ پھوٹ گئے، ہفت منزل مینار بھی تباہ ہو گیا ہے، دیواروں کے سنگ مرمر میں کلام مجید کی

جو آہنین کندہ تھین، اس کے کچھ ٹکڑے باقی ہین، جن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ پٹھان صرف تلوار ہی کے دھنی نہین تھے، بلکہ وہ آرٹسٹ بھی تھے، اور پتھرون مین صناعیان دکھاتے تھے، جن کو دیکھ کر آنے والی نسلین عش عش کرین،

اس کھنڈر کو دیکھ کر کون ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا ماتم نہ کریگا عبرت کا مقام ہے کہ یہان مین باجبروت بادشاہ پتھرون کے تلے دبے پڑے ہین، اور اپنی شان و شوکت قائم رکھنے کے لئے انھون نے جو جو تیاریان کی تھین، وہ سب خاک مین مل گئین، اور وہی خاک کا ڈھیر اور دو گز زمین جو ہر انسان کو ملتی ہے، ان کے حصہ مین بھی آئی،

ہوشنگ شاہ کا مقبرہ جامع مسجد کے پیچھے ہے، اور محمود شاہ کا اس کے سامنے تھا، دونون مقبرے سنگ مرمر کے ہین، اور بیچ مین سنگ سرخ کی جامع مسجد کی عمارت ہے، محمود شاہ کا مقبرہ تو تباہ و برباد ہوگیا، ہوشنگ شاہ کا اب بھی قائم ہے، اور مانڈو کی کل عمارتون مین سب سے اچھی اسی کی حالت ہے گنبد کی گولائی اور خوبصورتی کی اس زمانے کے انجینیر بھی تعریف کرتے ہین، پورے پانسو برس ہوئے جب یہ عمارت تعمیر ہوئی تھی، اور تین سو برس سے تو مرمت کا کیا ذکر کسی نے آس پاس کی گھاس پھونس اور خودرو درخت بھی نہین کاٹے، اب کچھ صفائی ہوئی ہے لیکن عمارت جیسی تھی، ویسی ہی ہے، البتہ رنگ مین فرق آگیا، کائی جمتے جمتے سنگ مرمر کی سفیدی غائب ہوگئی ہو،

جامع مسجد اور ان دونون مقبرون سے تقریباً آدھے میل کے فاصلے پر جہاز محل ہے، خیال ہو کہ اس کو غیاث الدین خلجی نے تعمیر کیا تھا، اس کے دو جانب تالاب اور بیچ مین محل جہاز کی طرح نظر آتا ہے، یہ محل پٹھانون کی صنعت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، اس کی دوسری منزل پر بیچ مین چاندنی (چھت) اور اس پاس سہ دریان ہین جن پر نہایت خوبصورت گنبد بنے ہوئے ہین، نیچے اور اوپر بھی نہرین اور تیرنے کے لئے کنول اور دوسری شکلون کے حوض بنے ہوئے ہین، اس زمانہ کے انجینیر ان نہرون اور حوضون مین نیچے سے پانی

چڑھاتے تھے، اور بادشاہ لطف و مسرت کی تقریبون اور بہار کے موسم مین یہان بزم عیش آراستہ کرتے تھے، یہ بڑا دلکش مقام تھا، اب بھی دلفریب ہے، لیکن افسوس سنسان پڑا ہے،

تالاب کے اُس پار جہاز محل کے سامنے ایک اور محل ہے، جو آدھے سے زیادہ تباہ ہوچکا ہے لیکن جو باقی رہ گیا ہے، اس کو دیکھ کر اس کی خوبصورتی کا اندازہ ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی اور اسلامی طرز کو بڑی نفاست کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے، لیکن پورے ساڑھے چار سو برس گذرے کہ یہ عمارت بنی تھی، اس وقت ہندوستان کیا ایشیا مین بھی کوئی انگریزون کا نام نہ جانتا تھا، اس محل کی کھڑکیان اور روشندان نہایت خوبصورت اور بالکل انوکھے طرز کے ہین، اگر کسی انگریزی کوٹھی مین اُن کو لگا دیا جائے، تو اُن کی خوبصورتی دوچند ہو جائے اور فیشن کے دلدادہ یہ تصور کرین کہ یہ کوئی نئی طرز ایجاد کی گئی ہے، یہ مقام بھی نہایت فرحت افزا ہے، سیڑھیان نیچے تالاب مین چلی گئی ہین، چارون طرف خوبصورت نہرین ہین، اور سامنے جہاز محل کا دلکش منظر ہے، لیکن افسوس کہ اس محل کے سامنے کا حصہ بالکل تباہ و برباد ہوگیا ہے،

ان دونون محلون سے تھوڑے فاصلہ پر ہنڈولا محل ہے، یہ نام جیسا عجیب و غریب ہے، عمارت بھی ویسی ہی انوکھی ہے اور لال پتھر کا پہاڑ معلوم ہوتی ہے، دیوارین ڈھلوان ہین، اور ان کی موٹائی پندرہ فٹ سے کسی طرح کم نہین ہوگی، ایک جانب ہاتھی[1] دروازہ اور باقی تین طرف بڑی خوبصورت اونچی محرابین ہین، چھت گر چکی ہے، لیکن دیوارین اتنی مضبوط ہین کہ شاید دو ہزار برس تک بھی نہ گرین قیاس کیا جاتا ہے، کہ یہان بادشاہ دربار کرتے تھے،

مانڈو کی سب سے انوکھی اور عجیب جگہ چمپا باولی ہے، جو بالکل زمین کے اندر ہے، زمین مین گھسنے کا ایک راستہ ہے، اندر جا کر دیکھو تو عجیب سمان نظر آتا ہے، اور ایک نئی دنیا معلوم ہوتی ہے، مضبوط ستونون پر سیکڑون محرابین اور بیچ مین ایک جگہ نہایت خوبصورت باؤلی ہو صرف یہی حصہ اوپر سے کھلا ہے، جہان سے آسمان

---

[1] ایسا دروازہ جس مین سے ہاتھی داخل ہوسکے،

نظر آتا ہے، باؤلی گویا اس انگشتری کا نگینہ ہے کہ محرابین اور ستون زمین کے اندر ہر سمت پھیلے ہوئے ہین، اندھیرے کی وجہ سے ہاتھون مین روشنی لے کر ہم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، جہان تک نظر کام کرتی تھی، محرابین ہی محرابین نظر آتی تھین، جب صاف ہوا کی کمی سے دم گھٹنے لگا، تو ہم لوگ باہر نکل آئے اس کے اطراف مین بھی دو دو تین تین فرلانگ تک زمین دوز کھوہ نظر آئے، جن مین باؤلی کی طرح کے ستون اور محرابین تھین، لیکن اندر جانے کی ہمت نہین ہوئی، خدا جانے یہ جال زمین کے اندر اندر کہان تک پھیلا ہوا ہے

شہر مانڈو (شادی آباد) ایک پہاڑ کی چوٹی پر آباد اور ہر طرف سے فصیلون سے گھرا ہوا ہے، اور فصیل کے اندر کا رقبہ بیالیس مربع میل ہے،

اس سارے رقبہ مین یہ شہر آباد تھا، جو اب بالکل ویران و برباد ہو چکا ہے، اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے، اس کی بھی کوئی خاص دیکھ بھال نہین ہے، ان عمارتون کے علاوہ اور بھی متعدد عمارتین یہان ہین، جو سب کی سب قابلِ دید ہین، ان مین سے باز بہادر کا محل، روپ متی کا محل، ملک مغیث کی مسجد، ہاتھی دروازہ، نہار برج، زنانہ مسجد، دہلی دروازہ، نیل کنٹھ، حمام اور ناٹک گھر خصوصیت سے قابلِ ذکر اور دیکھنے کے لائق ہین

دار المصنفین کی نئی کتاب

بزمِ تیموریہ

یعنی ہندوستان کے تیموری بادشاہون، شہزادون اور شہزادیون کی علم دوستی، علم نوازی اور اُن کے درباری شعراء و فضلاء، اور دوسرے اربابِ کمال کا تذکرہ اور خصوصیت کے ساتھ آخری تاجدار دہلی بہادر شاہ ظفر کے دیوان اور ان کے اردو کلام پر سیر حاصل تبصرہ ضخامت ۴۶۴ صفحے قیمت للعہ

مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم اے رفیق دار المصنفین،

"منیجر"

ادبیات

حدیثِ پاستان

از جناب یحییٰ اعظمی

نہ ہوگی کل اگر اس دیس مین اردو زبان باقی ‌ ‌ ‌ رہے گی پھر نہ سرشار و خسرو کی داستان باقی

ہے رفتہ رفتہ اب دستِ حوادث اسکے در پے بھی ‌ ‌ ‌ وطن مین رہ گیا تھا اک جو وحدت کا نشان باقی

رہین گے کل بھی یہ حرف و حکایت کیا زبانون مین ‌ ‌ ‌ ابھی محفل مین ہو کچھ کچھ "حدیثِ پاستان" باقی

تمھاری کم نگاہی نے اُسے بھی قطع کر ڈالا ‌ ‌ ‌ وہ اک رشتہ جو مدت سے رہا تھا درمیان باقی

وسیلہ جب نہ ہوگا اتحاد و ربطِ قومی کا ‌ ‌ ‌ رہے گی جسمِ قومیت مین پھر کس طرح جان باقی

بھلا ہم اس چمن کو کس طرح اپنا وطن سمجھین ‌ ‌ ‌ نہ ہو جس مین کوئی بھی ہم صفیر و ہم زبان باقی

بلا شبہہ رہین گے اس کے تہذیب و تمدن بھی ‌ ‌ ‌ ہے خاکِ ہند پر جب تک ہمارا کاروان باقی

کئے تھے آپنے وعدے جو کل خود بر ملا ہم سے ‌ ‌ ‌ ذرا ارشاد ہو یہ بھی کہ ہین وہ اب کہان باقی

گوارا ہو ہمین کیون اس مین بن کر اجنبی رہنا ‌ ‌ ‌ نہ ہو جب ملک مین خود اپنی تہذیب و زبان باقی

سنا ہین بھی تو کیونکر داستانِ دردِ دل اپنی ‌ ‌ ‌ وہ اندازِ سخن ہے اور نہ وہ طرزِ بیان باقی

غلط ہے یہ کہ گلزارِ وطن مین اب نہین کوئی ‌ ‌ ‌ امیر و داغ و چکبست و رتن کا نغمہ خوان باقی

فضائے دشت و در ہے آج بھی ایسی پر آواز ‌ ‌ ‌ کہ ہر وادی مین اردو کی ہے گلبانگِ اذان باقی

دبا سکتا نہین ہرگز کوئی آہنگ فطرت کو
زبانِ شبلی و غالب رہے گی جاودان باقی

غزل

از

جناب شفیق جونپوری

ہوا کا رُخ کہاں تک کارگر ہو
مسافر کا قدم بھی تیز تر ہو

ہمارا مستقل اک مستقر ہو
مگر پرواز تا حدِ نظر ہو

مرے دامن پہ کیا ہنستا ہے اے گل
ذرا اپنے گریبان پر نظر ہو

گمانِ خلد ہو جاتا تھا جس پر
وہی گلزار خونریزی کا گھر ہو

کبوتر اپنے بازو بھی تو ہی کر
ترے پنجے مین بھی شاہین کا پر ہو

اسے زیبا نہین ہے کاروانی
جو پابند مقاماتِ سفر ہو

قلندر کے لئے ہے شرط اول
مقامِ زندگی سے باخبر ہو

بنالے آج اپنا آشیانہ
نہ جانے کل ہوا کا رُخ کدھر ہو

سہولت دشمنِ ذوقِ عمل ہے
تو منزل اور بھی دشوار تر ہو

امیر کاروان کوئی نہین ہے
تو خود اپنی بصیرت راہ بر ہو

ادھر چمکے فلک پر راہ کا مل
ادھر داغِ جبیں تابندہ تر ہو

گھٹا آجائے تو ایک ایک جگنو
چراغِ امتِ خیر البشر ہو

صدائین دے رہی ہے روحِ اقبال
مرا نائب شفیق نامور ہو

مطبوعات جدیدہ

مسلمانون کا عروج وزوال از جناب مولانا سعید احمد صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد للعہ مجلد صہ پتہ:- ندوۃ المصنفین دہلی،

مسلمانون کا عروج وزوال تاریخ کے حیرت انگیز واقعات مین سے ہے، اپنے دور عروج مین وہ ایک صدی کے اندر ایشیا وافریقہ کے بڑے حصہ پر چھاگئے، اور یورپ کے ایک حصہ کو بھی زیرنگین کرلیا، اور تینون اعظمون مین اُن کی بڑی بڑی حکومتین قائم ہوگئین، جو صدیون تک بڑے جاہ وجلال سے چلتی اور دنیا کو تہذیب و اخلاق اور علم وفن کا سبق سکھاتی رہین، اور جہان مسلمانون کے قدم فاتحانہ نہ پہنچ سکے، وہان انھون نے تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی روشنی پھیلائی، غرض اس زمانہ کی معلوم دنیا کا کوئی حصہ اسلام کی برکتون سے محروم نہ رہا، اور صدیون تک دنیا کی سیاسی قیادت مسلمانون کے ہاتھون مین رہی، لیکن عروج وزوال کے طبعی اسباب کے ماتحت اُن پر بھی زوال طاری ہوا، لیکن اُن کا عروج اس زور وقوت کا تھا، کہ اُن پر زوال آنے مین صدیان لگ گئین، فاضل مصنف نے اس کتاب مین اسی عروج وزوال کی داستان کو سُنایا ہے، اور خلافتِ راشدہ، بنی اُمیّہ، بنی عبّاس، آل عثمان اور اندلس و ہندوستان کی اسلامی حکومتون کے قیام، اُن کے عروج وترقی، اُن کے کارنامون اور انحطاط وزوال پر تبصرہ کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ تیرہ صدیون کی پوری تاریخ اُم کل حکومتون کے عروج وزوال کی تفصیل اور اس کے اسباب ونتائج کی تحقیق وتنقید ایک کتاب مین ممکن نہ تھی، تاہم بڑی بڑی حکومتون کے مختصر حالات اور ان سے متعلق اہم واقعات وحوادث اور ان کے عروج وزوال پر اجمالی تبصرہ آگیا ہے جس سے اسلامی تاریخ کے مدوجزر کا اندازہ ہو جاتا ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب اس سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے

مراقبات از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ تقطیع بڑی ضخامت ۸۸ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ ایجوکیشنل کانفرنس حیدرآباد دکن،

فن نفسیات کا یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ نفس غیر شعوری یا تحت الشعور، اس حیثیت سے نفس شعوری سے زیادہ اہم ہے کہ وہ تمام خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے، شعوری نفس کے احکام کو قبول کرتا ہے، اور انسان پر جس قسم کے خیالات کا غلبہ ہوتا ہے، اسی قسم کے اثرات اس کے خارجی اور باطنی وجود میں لازمی طور پر ظاہر ہوتے ہیں، اور اسی کے مطابق اس کی تعمیر ہوتی ہے، اس اصول کے مطابق دینی تعلیمات کی حقانیت و صداقت پر یقین، ذاتِ حق، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، اس کی ربوبیت، کارسازی اور دستگیری پر اذعان و یقین، اور اس پر توکل و اعتماد اور اس قبیل کے دوسرے ایمانی و اعتقادی امور پر ایمان کامل، نہ صرف مذہبی عقیدت اور خوش عقیدگی کے لحاظ سے بلکہ نفسیاتی اصول سے بھی انسان کی اُخروی فلاح کے ساتھ دنیوی اور مادی کامرانیوں کا بھی ضامن ہے، صوفیہ کی تعلیمات میں جابجا اس کے اشارے ملتے ہیں، لیکن جدید نفسیات کی روشنی میں اس حقیقت کو سب سے پہلے ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے پیش کیا ہے، اور اس موضوع پر اُن کے بہت سے مضامین نکل چکے ہیں، مراقبات بھی اسی سلسلہ کی کتاب ہے، اس میں توحید، توکل، صبر، شکر، محبت حق، وفورِ رزق، صحت، رفعِ خوف و حزن، کامیابی، توبہ، تجدیدِ ایمان وغیرہ کے حصول کے دینی طریقے بتائے ہیں، اور دکھایا ہے، کہ یہ طریقے اور انکی دعاؤں اور اُن کے الفاظ پر یقین نہ صرف مذہبی عقیدہ کے مطابق، بلکہ نفسیاتی اصول سے بھی ان مقاصد کے حصول کا سب سے کامیاب ذریعہ ہے، اس لئے کہ جب اُن پر اذعان و یقین سے نفس شعوری اور غیر شعوری دونوں متاثر ہوں گے، تو اس کے اثرات انسان کے ظاہر اور باطن دونوں پر ظاہر ہوں گے، اس وقت یہ یقین حقیقت بن جائے گا، ڈاکٹر صاحب کی یہ خدمت قدیم علم کلام سے کم نہیں، متکلمین کی فلسفیانہ موشگافیوں کا اثر زیادہ تر ذہن و دماغ تک محدود رہتا تھا، اور اس نفسیاتی تدبیر سے دل اور اس کے ساتھ پورا وجود متاثر ہوتا ہے، جو دین کا اصل مقصد ہے، یہ کتاب دیندار مسلمانوں کے

زیادہ اُن جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مطالعہ کے لائق ہے، جن کو فلسفہ اور نفسیات میں درک ہو،

کلیات اکبر حصہ چہارم سید اکبر حسین الٰہ آبادی مرحوم تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، کتابستان کلائیو روڈ الٰہ آباد۔

حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے کلام کے تین حصے اُن کی زندگی میں اور اُن کے بعد متعدد بار شائع ہو چکے ہیں، یہ چوتھا حصہ ہے، اس کے متفرق اشعار مختلف رسالوں میں چھپ چکے ہیں، لیکن مجموعے کی شکل میں یہ پہلی اشاعت ہے، مصنف مرحوم کی فنی استادی اور خیالات کی پختگی اور گہرائی ہر زمانہ میں مسلّم تھی، لیکن عمر اور تجربہ کی زیادتی کے ساتھ قدرةً کلام میں بھی حکمت و بصیرت بڑھتی گئی، اس لحاظ سے یہ حصہ گویا اُن کی مشق سخن کا نچوڑ ہے، اس میں اُن کے مخصوص مطایبات حکیمانہ طنز و ظرافت، بلند تشبیہ، دماغی و ذہنی رجحانات اور مذہبی و معاشرتی تغیرات کے خاکے اُن پر مبصرانہ تنقید، اس زمانہ کے سیاسی حالات کی صحیح نقاشی اور اس کے اثرات و نتائج کی پیشگوئیاں، اور وہ تمام خصوصیات موجود ہیں، جو مصنف کا خاص حصہ ہیں، لیکن یہ بڑا نقص ہے، کہ مرتب کو جو اشعار بھی مل سکے ہیں، ان کو انھوں نے انتخاب کے بغیر شائع کر دیا ہے، اس لئے بہت سے ایسے اشعار اس مجموعہ میں نظر آتے ہیں جن کی اشاعت مصنف مرحوم اپنی زندگی میں گوارا نہ کرتے، کسی شاعر کا بھی کلام رطب و یابس سے پاک نہیں ہوتا، اس لئے ہمیشہ انتخاب شائع کیا جاتا ہے، دوسرے کتابت و طباعت کی غلطیاں بکثرت ہیں، ان دونوں نقائص کی بنا پر ناقدین کو خوردہ گیری کا موقع مل سکتا ہے،

سیاسیات کے اصول از جناب میر نثار علی صاحب بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت عہ حال عہ مجلد، پتہ اردو محل حیدرآباد دکن،

یہ سیاسیات پر ایک مختصر کتاب ہے، اس میں مملکت کی حقیقت، اس کے ارتقا کی تاریخ، اس کے تمام اجزاء و عناصر اور اس کے مختلف نظریوں اور قسموں اور یورپ کی حکومتوں کے مختلف دستوری

نظامون کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، جس سے اس فن کے ضروری معلومات کا علم ہوجاتا ہے، سیاسیات کے طلبہ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

نکہتِ گل از جناب وفا براہی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ :- پستک بھنڈار لہریا سرائے اور پٹنہ،

حضرت بہار کے ممتاز نوجوان شعراء میں ہین، نکہتِ گل اُن کی غزلیات کا مجموعہ ہے، کلام قدیم وجدید رنگ کے معتدل امتزاج کا نمونہ ہے، خیالات مین رنگینی کے ساتھ پاکیزگی اور زبان صاف و سلیس ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق مین یہ مجموعہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا،

تعمیر مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی و مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی تقطیع متوسط اخباری، ضخامت ۸ صفحے کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ چھ روپے ششماہی تین روپیے،

فی پرچہ ۲ر پتہ :- مکتبہ تعلیمات اسلامی نمبر ۱۰۳ امین آباد پارک لکھنؤ،

یہ پندرہ روزہ اخبار لکھنؤ کے مشہور دینی ادارہ تعلیمات اسلامی کے لائق کارکنون نے نکالا ہے، اس کا مقصد صحیح اسلامی اصولون پر مسلمانون کی اصلاح و تعمیر ہے، اس کے کئی نمبر نکل چکے ہین، ہر نمبر اپنے مقصد کا ترجمان اور مفید دینی و اصلاحی مضامین پر مشتمل ہے، اخبار کے لائق اڈیٹرون کے مقالات خصوصیت کے ساتھ بہت مفید اور مسلمانون کے پڑھنے کے لائق ہین، عام لوگون کی دلچسپی کے لئے مفید اور صالح ادبیات کی بھی چاشنی رہتی ہے، اس وقت ہندوستان کے مسلمان جس نازک دور سے گذر رہے ہین، اُن سے ان کو بچانے اور سدھارنے کے لئے اسی قسم کی دینی تدبیرون کی ضرورت ہے، ہر درد وقت کا درد رکھنے والے مسلمانون سے امید ہے کہ وہ اس اخبار کی پوری امداد اور قدردانی کرین گے کہ وہ سکون و یکسوئی کے ساتھ اس اہم خدمت کو انجام دے سکے،

"م"

تابعین رضؓ

مُرتّبہ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

علم وعمل اور مذہب واخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور اُن کے تربیت یافتہ تابعینِ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد اُن ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہؓ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویس قرنیؒ، حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت امام باقرؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت محمدؒ حنفیہ، حضرت سعیدؒ بن مسیب، حضرت سعیدؒ بن جبیر، حضرت محمدؒ بن سیرین، حضرت ابنؒ شہاب زہری، امام ربیعۂ رائی، امام مکحول شامی، قاضی شریحؒ، وغیرہ چھیانوے ۹۶ اکابر تابعینؒ کے سوانح، اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے،

ضخامت :- ۵۶۰ صفحے،

قیمت :- چار روپیے،

"منیجر"